قرآن کا پیغام

اور اس کے علمی اسرار و عجائب

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

مجلس نشریاتِ اسلام ۱/کے-۳-ناظم آباد مینشن
نزد برف خانہ - ناظم آباد ۲ کراچی ۱۸

قرآن کا پیغام

اور اس کے علمی اسرار و عجائب

از

مولانا محمد شہاب الدین ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱۔کے۔۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۱۸

پاکستان میں جملہ حقوق طباعت واشاعت
بحق فضل ربی ندوی محفوظ ہیں

نام کتاب	قرآن کا پیغام
تصنیف	مولانا محمد شہاب الدین ندوی
کتابت	محمد بشیر الدین بنگلوری
طباعت	شکیل پرنٹنگ پریس کراچی
ایڈیشن	۱۹۹۲ء
ضخامت	۸۰ صفحات
ٹیلیفون	۶۲۱۸۱۷

باشتراک وتعاون
فرقانیہ اکیڈمی بنگلور
ناشر
فضل ربی ندوی
مجلس نشریات اسلام ۱-کے-۳۰ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۱۸

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مقدمہ	۱۱
	(۱) قرآن کا پیغام ہندی مسلمانوں کے نام	
۲	بنی اسرائیل اور اُمتِ مسلمہ	۱۹
۳	اللہ کا وعدہ پورا ہوتا ہے	۲۱
۴	موجودہ مشکلات کا انقلابی حل	۲۳
۵	مسلمانوں کے اصل ہتھیار	۲۴
۶	کلماتِ تسکین و دل بستگی	۲۵
۷	ایک دوسری پیش گوئی	۲۷
۸	پیام عمل	۲۸
	ایک ابتلاء اور آزمائش	
۹	قرآن حکیم کی ہمہ گیری	۲۹
۱۰	چند زندہ جاوید آیات	۳۰
۱۱	ایک حیرت انگیز مطابقت	۳۱
۱۲	اکثریت کا نشہ	۳۳
۱۳	ایک بلیغ ربانی تبصرہ	۳۴
	پیغام نجات اور صوتِ سرمدی	

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۱۴	پیامِ تازہ	۳۴
۱۵	مُسلمانوں کی کوتاہی	۳۵
۱۶	قرآن کیا ہے ؟	۳۶
۱۷	اللہ کا وعدہ	۳۷
۱۸	قانونِ ازلی	۳۸
۱۹	خُدائی منصوبہ	۳۹
۲۰	راہِ عمل	〃

صحیفۂ تاریخ کا فیصلہ

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۲۱	تاریخ کی شہادت	۴۲
۲۲	قرآن کا فیصلہ	۴۳
۲۳	قوموں کی میعاد	۴۴

(۲) اسرارِ نبوت
سائنٹفک نقطۂ نظر سے

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۲۴	تمہید	۴۹
۲۵	نیّرِ فلکی	۵۰
۲۶	آفتاب کی روشنی	۵۱
۲۷	سورج کا ٹمپریچر	۵۲
۲۸	سورج کی کارفرمائی	〃
۲۹	سورج کی توانائی	۵۳

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۳۰	سورج کا نظم وضبط	۵۳
۳۱	پانی کی کارفرمائی	۵۴
۳۲	سورج ایک بہشتی	۵۵
۳۳	قرآنی انکشاف	۵۶
۳۴	سورج ایک باورچی	۵۷
۳۵	اسباب اور مسبّب الاسباب	۵۸
۳۶	آفتاب ہرفن مولا	〃

آفتابِ رسالت

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۳۷	صفاتِ نبوی	۵۹
۳۸	منصبِ رسالت	۶۰
۳۹	اسلامی تصوّف	۶۲
۴۰	نماز کا صحیح مقام	۶۳
۴۱	تصوّف کیا ہے ؟	۶۴
۴۲	سُنّتِ رسول	۶۵

چراغِ فلک اور چراغِ رسالت

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۴۳	دو روشن چراغ	۶۸
۴۴	دونوں میں مشابہت	۶۹
۴۵	رسالت ایک مستقل سرچشمہ	۷۱
۴۶	چند مزید حقائق	〃
۴۷	روشنی کا منارہ	۷۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	(۳) اشتراکیت	
	ایک قرآنی تمثیل کے رُوپ میں	
۴۸	کتابِ الٰہی کی تازگی	۷۵
۴۹	ہر دور کے لئے رہنما کتاب	۷۶
۵۰	ربانی انکشاف	۷۷
۵۱	ایک شیطانی تحریک	"
	اشتراکیت کیا ہے ؟	
۵۲	جائیداد سے بے دخلی	۷۸
۵۳	جبر و استبداد	۷۹
۵۴	خوشنما نعرہ	۸۰
۵۵	فسوں کاری	۸۱
۵۶	سرابِ حقیقت	"
	اشتراکیت ، سرمایہ داری اور اسلام	
۵۷	اشتراکیت اور سرمایہ داری	۸۳
۵۸	اسلامی نظامِ زکاۃ	۸۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

یہ کتاب میرے تین مقالات کا مجموعہ ہے جو فرقانیہ اکیڈمی کے ابتدائی دور میں اب سے تقریباً بیس سال پہلے الگ الگ کتابچوں کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا کتابچہ (قرآن کا پیغام ہندی مسلمانوں کے نام) اب نایاب ہے، جو مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم کے دور میں اُن کے مشہور ہفت روزہ "صدق جدید" میں بھی قسط وار شائع ہو چکا ہے۔ اور بقیہ دو کتابچے بھی قریب الختم ہیں، جو اُس دور میں ہند و پاک کے کئی علمی رسائل اور جریدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور "اسرارِ نبوت" عربی میں بھی ترجمہ ہو کر عربی ماہنامہ "البعث الاسلامی" لکھنؤ میں شائع ہو چکا ہے۔ ان مقالات میں جو نئے افکار ہیں اور جو جدت و ندرت ہے اس کی بنا پر اہلِ علم نے ان کی خوب ستائش کی ہے۔ اور اسی بنا پر وہ علمی حلقوں میں بہت مقبول ہوئے۔ لہٰذا ضروری معلوم ہوا کہ اب تینوں کو ایک مجموعہ کی شکل میں دوبارہ شائع کر دیا جائے۔ کیونکہ ان کے اندر عصرِ جدید کے تعلق سے قرآنِ حکیم کا جو فکر انگیز پیغام اور معجزانہ ہدایت موجود ہے اس سے اہلِ اسلام مستفید ہوتے رہیں۔

ان مقالات کے ملاحظہ سے بخوبی ظاہر ہوگا کہ قرآنِ حکیم ہر دور کے لئے ایک ابدی و سرمدی پیغام ہے، جس میں اہلِ اسلام کو نہ صرف ہر دور کے تقاضوں کے مطابق حیرت انگیز ہدایت و رہنمائی ملتی ہے بلکہ وہ ہر دور کی گمراہیوں اور فتنوں کو بھی اپنی ابدی آیات کے ذریعہ کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ اہلِ اسلام ان فتنوں سے بخوبی آگاہ ہو کر ان سے بچیں اور طاغوتی قوتوں اور اُن کے پروپگنڈوں سے متاثر ہوئے بغیر اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہیں اور خدائی ہدایات پر عمل کر کے دونوں جہانوں میں کامیاب اور سُرخرو ہوں۔

چنانچہ پہلے مقالے میں چند قرآنی آیات اور اُس کی پیشین گوئیوں کو بنیاد بنا کر دکھایا گیا ہے کہ آج دنیا بھر کے اور خصوصاً ہندستانی مسلمان جس ابتلا و آزمائش کے دور سے گزر رہے ہیں اُس کا تذکرہ کتابِ الٰہی میں ایک اعجازی انداز میں مذکور ہے۔ اور وہ اس وقت جن مصائب سے دوچار ہیں اُن کی بھی ایک صحیح تصویر اس میں

مرقوم ہے۔ اور پھر اس ابتلاء و آزمائش اور ان مصائب سے نکلنے کا حل اور صحیح راستہ بھی انہیں بتا دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس میں اہلِ اسلام کے لئے ایسی ہدایات مذکور ہیں جن پر عمل کر کے وہ موجودہ طوفانی بھنور سے باہر نکل سکتے ہیں۔ اسی طرح اس مقالے میں موجودہ ظالم و جابر قوموں کی نفسیات، اُن کے نشۂ اقتدار کے گھمنڈ اور اُن کے زعمِ باطل کا حال بھی قرآن میں اُصولی انداز میں مذکور ہے۔ اور اس سلسلے میں خُدائی سُنّت کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ وقت آنے پر ظالم و جابر قوموں کا تختہ پلٹ دیا جائے گا اور اُن کی ساری تدبیریں اُلٹی ہو جائیں گی۔ چنانچہ صحیفۂ تاریخ کا فیصلہ اور اُس کی شہادت ہے کہ جو قومیں نشۂ اقتدار میں مبتلا ہو کر ظالم و جابر بن جاتی ہیں اور جادۂ اعتدال سے ہٹ کر اپنی رعایا اور اللہ کی مخلوق پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے لگتی ہیں اُن کا انجام ہمیشہ بُرا رہا ہے۔ مگر اللہ کی مُہلت اور چند روزہ ڈھیل کی وجہ سے وہ یہ سمجھنے لگ جاتی ہیں کہ اُنہیں کوئی پکڑنے والا نہیں ہے۔ لیکن جب اچانک خُدا کی لاٹھی حرکت میں آجاتی ہے اور خُدائی فیصلہ صادر ہو جاتا ہے تو پھر وہ صفحۂ ہستی سے میٹ دی جاتی ہیں گویا کہ اُن کا وجود اس دُنیا میں سرے سے تھا ہی نہیں۔ چنانچہ تاریخ کی شہادت کے مطابق رُوئے زمین پر ایسی کتنی ہی مغرور و متکبر قومیں اپنے انجامِ بد سے دوچار ہو چکی ہیں، جن کی تباہی و بربادی پر آج کوئی آنسو بہانے اور ماتم کرنے والا بھی موجود نہیں ہے۔

بہرحال اس میں اہلِ ایمان کے لئے جس طرح اُن کی دل بستگی اور خُدائی ہدایت و رہنمائی کو تھامنے اور اسے مضبوطی سے پکڑے رہنے کا پیغام ہے، اسی طرح اس میں ظالم و جابر قوموں کو ایک تنبیہ و انتباہ (وارننگ) بھی ہے کہ وہ اقتدار کے نشہ سے مست ہو کر مخلوقِ خُدا پر ظُلم و ستم کے پہاڑ نہ توڑیں۔ ورنہ انہیں اپنے انجامِ بد کا منتظر رہنا چاہیئے۔

دوسرے مقالے میں اس حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ موجودہ بگڑے ہُوئے معاشرے کی اصلاح اگر ہو سکتی ہے تو وہ صرف اسلام کے ابدی پیغام کو اپنانے اور خاص کر سیرتِ رسول کی اتباع کرنے پر موقوف ہے۔ اور آج مُسلمانوں پر جو بھی مُصیبتیں آ رہی ہیں وہ اللہ کے پیغام اور اُس کے نبی کی سیرتِ پاک کو نظر انداز کرنے ہی کی بدولت ہے۔ لہٰذا موجودہ پستی اور زبوں حالی سے نکلنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ وہ پیامِ خُداوندی پر کان دھریں اور پورے اخلاص کے ساتھ اس پر عمل کریں۔

اس طرح یہ مقالہ پہلے مقالے کا تتمہ اور ضمیمہ ہے۔ یعنی پہلے مضمون میں مسلمانوں کو جو اجمالی پیام دیا گیا تھا اُس کی تفصیل اس میں آگئی ہے کہ اللہ کے پیام پر عمل کرنے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ مسلمان سیرتِ رسول کو اپنا نمونہ بنائیں اور قرآن و حدیث پر پُوری طرح کاربند ہو جائیں۔ مگر قرآن چونکہ ایک حکیمانہ اور سائنٹفک قسم کا کلام ہے اس لئے اُس کا ہر حکم اور اُس کی ہر ہدایت بھی عقلی و سائنٹفک قسم کی اور بالکل نرالے انداز میں ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے احکام و ہدایات خشک واعظانہ اور زاہدانہ یا تحکمانہ انداز میں نہیں بلکہ فطری و عقلی اور دلنشین قسم کے دلائل کی روشنی میں اس طرح پیش کرتا ہے گویا کہ ایک نہایت درجہ حکیم و دانشمند شخص یا کوئی مشفق و مہربان اُستاد اپنے شاگردوں کو اپنی ہر بات حکیمانہ اور عقلی انداز میں سمجھا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک فطری، مؤثر، مُدلّل اور پیار بھرا اندازِ بیان ہے، جس کا نظارہ ہمیں دنیا کے کسی بھی دوسرے مذہبی صحیفے میں دکھائی نہیں دیتا۔ اور اس اعتبار سے قرآن کا پیغام علم و عقل، حکمت و دانش مندی اور نظامِ فطرت کے اُصولوں سے بھرپور اور مضبوط و مستحکم عقلی دلائل سے مزین ہے جو ایک انوکھا اور اپنے طرز کا واحد کلام ہے۔ اور اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے

بہرحال اس مقالے میں بعض قرآنی آیات کی سائنٹفک نقطۂ نظر سے تشریح و تفسیر کی گئی ہے، جن کے مطابق سیرتِ رسول اور اُس کے منصب و مرتبے پر ایک نئی روشنی پڑتی ہے اور اس کلامِ ابدی کا ایک نیا رُوپ ظاہر ہوتا ہے، جو نوعِ انسانی کو مبہوت و ششدر کر سکتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کتابِ حکمت میں ہر دور کی عقلیت و ذہنیت کے مطابق رہنمائی کرنے کی زبردست صلاحیت موجود ہے، جو اس کے من جانب اللہ ہونے کی بھی ایک روشن ترین دلیل ہے۔ اور قرآن میں اس طرح کے حقائق اور "علمی اسرار" اس لئے مذکور ہیں تاکہ انسان اُس کے من جانب اللہ ہونے کا یقین کر کے اس کو مضبوطی سے تھام لے۔

تیسرا مقالہ اشتراکیت یا کمیونزم سے متعلق ہے، جس کی حقیقت و ماہیت اور اُس کے بھیانک و مکروہ چہرے کی ایک صحیح تصویر ایک تمثیل کے رُوپ میں قرآنِ حکیم میں مذکور ہے۔ جس کے ملاحظہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اشتراکیت (کمیونزم) اپنے مکمل و مجسّم شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ چنانچہ اس کے ہو بہو خد و خال یا اُس کے چہرے کی ایک قلمی تصویر ہمارے سامنے اس طرح آتی ہے کہ حقیقت اور واقعہ میں ذرا بھی فرق دکھائی نہیں دیتا۔ ظاہر ہے کہ اتنی صحیح اور سچی تصویر وہی پیش کر سکتا ہے جو مستقبل میں پیش آنے والے تمام احوال و کوائف سے

بخوبی واقف ہو اور جس کے علم میں ایک تنکے برابر بھی کمی بیشی نہ ہو سکتی ہو۔ اس اعتبار سے اس بحث سے دو بنیادی حقیقتیں ثابت ہوتی ہیں: ایک یہ کہ اس کائنات میں ایک ایسی ہمہ دان اور باخبر ہستی کا وجود ضرور ہے جس کا علم کائنات کی ہر چیز اور ماضی، حال و مستقبل کے ہر واقعے پر محیط ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اُس کے کلامِ ابدی یعنی قرآنِ مجید میں مستقبل میں پیش آنے والے تمام فتنوں اور خطروں سے اُمتِ مسلمہ کو آگاہ و باخبر کر دیا گیا ہے، تاکہ وہ طاغوتی اور شیطانی فتنوں سے آگاہ و باخبر ہو کر ان سے چوکنا رہیں اور کلامِ الٰہی کی صداقت کا یقین کر کے اس کی ہدایت کی طرف پوری طرح راغب ہو جائیں۔ اس قسم کے حقائق و واقعات میں اہلِ اسلام کو یہی بنیادی پیغام دیا گیا ہے۔

بہر حال قرآنِ مجید کے ذریعہ چودہ سو سال پہلے جو عظیم پیشین گوئی کی گئی تھی وہ آج لفظ بلفظ پوری ہو چکی ہے۔ اور اشتراکیت اپنی تمام فتنہ سامانیوں کے ساتھ ظاہر ہو کر کلامِ ابدی کی تصدیق و تائید کر چکا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ عصرِ جدید کی گمراہ کن تحریکوں اور ازموں میں اشتراکیت نہایت درجہ خطرناک تحریک اور بدترین ازم ہے۔ جس کے اصل اور بھیانک چہرے پر خوشنما نعروں اور فریب کاریوں کا لیبل چڑھا دیا گیا تھا۔ مثل مشہور ہے کہ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہوتے ہیں اور کھانے کے اور۔ یہ ضرب المثل اشتراکیت پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ جبر و تشدد، لوٹ کھسوٹ، قتل و غارت گری، سفاکی و بربریت اور لاقانونیت اس تحریک کے بنیادی عناصر ہیں، جس کا ایک نظارہ اب سے کوئی رُبع صدی پہلے علاوہ روس اور چین کے مغربی بنگال میں بھی (نکسلیوں کی تحریک کی شکل میں) کیا جا چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اشتراکی فتنہ نوعِ انسانی کو ایک دنیوی عذاب میں مبتلا کر کے لاکھوں کروڑوں انسانوں کے خون سے اپنی پیاس بجھا چکا ہے۔ مگر اب وہ پوری طرح دم توڑ کر اپنی ناکامی کا اعلان و اعتراف کر چکی ہے۔ اشتراکی روس و چین نے جس سُرخ "جنت" کا اپنے عوام سے وعدہ کیا تھا وہ ایک خوابِ پریشان بن گیا اور اُس کی تعبیر بالکل اُلٹی ہو گئی ہے۔ اب کمیونزم کی ناکامی ایک تاریخی حقیقت ہے، جیسا کہ روس کے موجودہ صدر گورباشوف کے تائبانہ یا "باغیانہ" اعلانات اور اُن کی نئی نئی اصلاحات سے ظاہر ہوتا ہے۔ حالانکہ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک (خصوصاً روس کے سابق وزیرِ اعظم خروشیف کے دور میں) اشتراکیت کا اتنا زور تھا اور اس کے اتنے دم خم

تھے جن کو دیکھتے ہوئے اُس وقت ایسا محسوس ہوتا تھا گویا کہ وہ ساری دُنیا کو فتح کر کے رہے گی اور پھر سارے عالم پر اپنا جھنڈا لہرائے گی۔ چنانچہ اپنے مذموم مقاصد کو حاصل کرنے اور عوام کو گمراہ اور بے وقوف بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی راہ میں وہ سارے ہتھکنڈے آزمائے گئے جو ممکن ہو سکتے تھے۔ اور دوسری طرف جبر و تشدد کے ذریعہ لاکھوں کروڑوں انسانوں کا خونِ ناحق بہایا گیا۔ ایک تازہ رپورٹ کے مطابق سابق روسی ڈکٹیٹر مارشل اسٹالن نے اپنے دورِ حکومت میں کوئی دو کروڑ آدمیوں کو مروایا اور انہیں ٹھکانے لگا دیا، جیسا کہ موجودہ صدر گورباشوف کے اقدامات کے نتیجے میں ظاہر ہونے والے تازہ حقائق و انکشافات سے پتہ چلتا ہے۔ اور اُس دور میں پورا ملک جبری کیمپوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ مگر وہ نظام جو لاکھوں کروڑوں انسانوں کی لاشوں پر بنا تھا وہ بالآخر بودا اور کھوکھلا ثابت ہو کر اپنی موت آپ مر گیا۔ کیونکہ وہ فطرت کے خلاف ایک بغاوت تھی۔ ظاہر ہے کہ فطرت کے خلاف بغاوت یا جنگ کرنے والوں کو شکست سے دوچار ہونا اور ہتھیار ڈالنا ہی پڑتا۔ اس طرح کارل مارکس، اینگلز، لینن اور اسٹالن کے سپنے پوری طرح ٹوٹ چکے ہیں اور اُن کے "سُرخ" خواب چکنا چور ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس لحاظ سے اشتراکیوں کا صحیفہ "داس کیپٹل" (کارل مارکس کی وہ کتاب جس میں اشتراکیت کا فلسفہ پیش کیا گیا ہے اور وہ اشتراکیوں کے نزدیک "زبورِ اشتراکیت" کی سی حیثیت رکھتی تھی) اب عجائب گھر کی زینت بن چکا ہے۔ غرض اشتراکیت پوری طرح ناکام اور اشتراکیوں کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے ہیں۔

بقول اقبال اشتراکیت یا کمیونزم دراصل انسانی حرص و آز ہی کا ایک نیا رُوپ اور طمع و لالچ ہی کا ایک جدید ایڈیشن ہے۔ ہوس رانیوں کی یہ کہانی دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ قرآنِ حکیم نے اپنے زندہ جاوید صفحات میں یہ کہانی ایک تمثیل کے رُوپ میں پیش کر کے اشتراکیت کی مکروہ اور بھیانک تصویر کو بڑے ہی فنکارانہ انداز میں نمایاں کیا ہے، جو اُس کا ایک حیرت انگیز اعجاز ہے۔

یہ مقالہ اب سے بیس سال پہلے لکھا گیا تھا اور اس میں بحث بھی اُسی دور میں پیش آنے والے واقعات کو بنیاد بنا کر کی گئی ہے، جب کہ خاص کر جنوب مشرقی ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ اشتراکیت کی زد میں تھے۔ مگر اُس دور میں باوجود اشتراکیت کے "ظاہری دبدبے" کے اصلاحات کا بھی دور شروع ہو گیا تھا، جیسا کہ اس مقالے کے

مباحث سے ظاہر ہوگا۔ گو یہ اصلاحات اب ایک مکمل حقیقت بن چکے ہیں۔ بہر حال بیس سال پہلے لکھے ہوئے اس مقالے کو بغیر کسی ترمیم کے (سوائے ایک مقام کے جہاں پر ایک قرآنی لفظ کا مفہوم درست کر دیا گیا ہے) جوں کا توں شائع کیا جا رہا ہے، جس کی وجہ سے اس کے بعض تاریخی خدوخال کو سمجھنے میں بھی مدد مل سکتی ہے۔ اور اس اعتبار سے اس بحث کی ایک تاریخی اہمیت ہوگئی ہے۔

حاصل یہ کہ اس مقالے سے قرآنی بیانات کی قدر و قیمت ظاہر ہوگی کہ خدائی کلمات پتھر کی لکیر کی طرح ہر دور میں کس طرح صادق آسکتے اور کس طرح نوعِ انسانی کے لئے ایک لمحۂ فکریہ فراہم کر سکتے ہیں۔ یہ قرآن عظیم کی بے مثال و لاثانی ہدایت و رہنمائی کا ایک نمونہ ہے کہ وہ ہر دور میں نہ صرف نوعِ انسانی کی رہنمائی کر سکتا ہے بلکہ خود اپنی صداقت و سچائی کے نئے نئے رُوپ اور نئے نئے دلائل و شواہد بھی فراہم کرتا رہتا ہے۔ تاکہ نوعِ انسانی اُس کی صداقت و سچائی کا نظارہ کر کے اُس کی ہدایت و رہنمائی کی طرف متوجہ ہو سکے۔ لہٰذا ایسے عظیم و بے مثال کلام سے غافل رہنا یا اُسے پُرانے دور کی ایک فرسودہ کتاب تصور کر کے نظر انداز کرنا بہت بڑی محرومی اور بدنصیبی کی بات ہے۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۝ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا : یہ قرآن بلاشبہ وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے۔ اور جو اچھے عمل کرتے ہیں اُن کو ایک بہت بڑے اجر کی خوشخبری سناتا ہے۔ اور جو لوگ (ہماری بات کا یقین کر کے) آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے لئے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (اسرا: ۹-۱۰)

هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ : یہ پوری نوعِ انسانی کے لئے وضاحت نامہ ہے اور اللہ والوں کے لئے ہدایت و موعظت۔ (آل عمران: ۱۳۸)

محمد شہاب الدین ندوی

۱۴۰۹/۵/۲۳ ھ

۱۹۸۹/۱/۳ ء

قرآن کا پیغام

ہندی مسلمانوں کے نام

بنی اسرائیل اور اُمّتِ مسلمہ

یوں تو آج پوری دنیا میں اسلام کے نام لیواؤں پر عرصۂ حیات تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ مگر خصوصیت کے ساتھ ہندستانی مسلمان جس ظلم و ستم، شقاوت و تنگ نظری، تعصب اور جارحانہ فرقہ پرستی کا شکار ہو کر ہر طرف شطرنج کے مہروں کی طرح پٹ رہے ہیں، اس کی مثال ملنی دشوار ہے۔ یہ ایک المیہ اور ٹریجڈی نہیں تو پھر کیا ہے کہ وہ قوم جس نے دنیا کو مساوات و وسعتِ قلبی، صلح و آشتی اور عدل و انصاف کے اسباق پڑھائے تھے اور سارے جہاں کو درسِ انسانیت دیا تھا، وہ خود آج بدترین قسم کے تعصب کا شکار ہو کر ذلت و نکبت اور شقاوت و بربریت کی چکّی میں پس رہی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اُمّتِ مسلمہ خدا کی نام لیوا ہونے کے باوجود آج اس کے اکثر افراد خدا فراموشی اور عام اخلاقی برائیوں میں بالکل اسی طرح مبتلا ہیں جس طرح کسی زمانے میں بنی اسرائیل مبتلا تھے۔ ایک وقت تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سارے جہاں پر فضیلت دے رکھی تھی:

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ : اے اولادِ اسرائیل یاد کرو میری اس نعمت کو جس سے میں نے تم کو سرفراز کیا تھا اور سارے جہاں پر تم کو فضیلت بخشی تھی۔ (بقرہ: ۴۷)

بنی اسرائیل کی اس فضیلت کی وجہ یہ بھی کہ ان میں نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری کر کے انہیں رشد و ہدایت کا امام بنایا گیا تھا۔ چنانچہ جب تک وہ ربانی ہدایت کے داعی اور پیامبر رہے ان کی یہ فضیلت بھی برقرار رہی اور جب انہوں نے یہ امتیازی خصوصیت ترک کر دی تو ان پر دائمی ذلت و نکبت مسلط کر دی گئی۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ : اور اُن پر ذلّت و بے چارگی مسلّط کر دی گئی اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے۔ یہ اس وجہ سے ہُوا کہ وہ آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے اور ناحق نبیوں کو قتل کرتے تھے۔ (یہ انکارِ آیات اور قتلِ انبیاء) اس وجہ سے تھا کہ وہ نافرمانی میں حد سے بڑھ گئے تھے۔
(بقرہ : ۶۱)

وہ قوم جو بامِ رفعت پر فائز تھی آن کی آن میں اس کو پستی و انحطاط کے تحت الثریٰ میں دھکیل دیا گیا اور اس کی جگہ اُمتِ محمدی کو نامزد کر کے دنیا کی امامت کا سہرا اُس کے سر باندھا گیا۔ مگر افسوس کہ یہ "اُمتِ وسط" بھی بہت جلد اپنے مقصد اور راستے سے ہٹ گئی۔ اور آج اللہ کی نافرمانی اور انکارِ آیات میں اُس کا بھی وہی حال ہے جو کسی دَور میں بنی اسرائیل کا تھا۔ اسی وجہ سے وہ چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغے میں پھنسی ہوئی ہے۔ کبھی اُس پر صلیبیوں اور تاتاریوں کی یلغار ہوتی ہے تو کبھی اشتراکیوں کی چڑھائی۔ کبھی اُس پر کفار و مشرکین حملہ آور ہوتے ہیں تو کبھی سامراجی اور صیہونی ہلّہ بول دیتے ہیں۔ یہ زبوں حالی اُس وقت تک باقی و برقرار رہے گی جب تک کہ اللہ کی نافرمانی اور دینِ حق سے برگشتگی جاری رہے گی۔ خُدا نے ہزاروں سال قبل بنی اسرائیل سے جو وعدہ کیا تھا وہ آج بھی اپنی جگہ برقرار ہے :

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ : اور تم میرا عہد پُورا کرو۔ مَیں تمہارا عہد پُورا کروں گا۔ (بقرہ : ۴۰)

یعنی اگر تُم میری وفاداری کرتے رہے تو میں بھی تمہیں دُنیا میں عزت و اقبال مندی عطا کروں گا ورنہ تمہیں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس خُدائی عہد کو توڑنے کے باعث بنی اسرائیل اپنی پوری قومی زندگی میں عبرتناک ذلت و رسوائی سے دوچار ہُوئی۔ سنہ ۵۸۶ قبلِ مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور بنی اسرائیل کو خوب تہ تیغ کیا۔ اور بچے کھچے افراد کو قیدی و غلام بنا کر بابل لے گیا، جہاں پر پوری نصف صدی تک انہیں قید و بند اور

دار و رسن کے مصائب برداشت کرنے پڑے۔ پھر سائرس کے عہد میں جب ان کو رہائی نصیب ہُوئی تو بیت المقدس کی باز آبادکاری عمل میں آئی اور ان کی قسمت کا ستارہ دوبارہ چمکا۔ مگر اس وقت بھی انہیں تنبیہہ و انتباہ کے طور پر کہا گیا :

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا : اگر تم بھلائی کرو گے تو اپنے ہی لئے کرو گے، ورنہ اگر بُرائی کرو گے تو بھی اپنے ہی لئے۔ (بنی اسرائیل : ۷)

وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا : اگر تم وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے۔ (بنی اسرائیل : ۸)

یعنی اگر تم نے پھر بد اخلاقی و بدعملی اور بغاوت و سرکشی کی روش اختیار کی تو ہم بھی پھر تمہاری سرکوبی کریں گے۔ اور سزا دینے میں نہیں چوکیں گے۔ چنانچہ ان کی دوبارہ سرکشی و بدکرداری کی بنا پر سنہ ۷۰ء میں دوسری مرتبہ بنی اسرائیل کو رُومی فرمانروا ٹیٹس TITUES کے ہاتھوں بڑی زبردست اور ہولناک تباہی سے دوچار ہونا پڑا۔ اس طرح بنی اسرائیل کی قومی تاریخ متعدد تباہیوں اور بربادیوں کا مرقع رہی ہے۔ اور آج اُمتِ محمدی کا بھی بالکل یہی حال ہے کہ وہ بھی اپنی بداعمالیوں اور سیاہ کاریوں کے باعث گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینکی جا رہی ہے۔

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ : اور ان ایام کو ہم لوگوں کے درمیان اُلٹ پھیر کرتے رہتے ہیں۔ (کبھی ان کی باری ہے تو کبھی اُن کی باری)۔ (آلِ عمران : ۱۴۰)

ع دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

اللہ کا وعدہ پُورا ہوتا ہے

قرآنِ مجید چودہ سو سال قبل ہی اپنا یہ اٹل فیصلہ سُنا چکا ہے کہ مسلمانوں پر ان کی بدعملی کے باعث ایک ایسا نازک اور صبر آزما وقت ضرور آنے والا ہے جب ایک طرف ان کی جان و مال پر بن آئے گی تو دوسری طرف ان کو کُفار و مشرکین اور اہلِ کتاب کے طعنے، دل آزاریاں اور طرح طرح کے الزامات بھی سننے پڑیں گے۔ چنانچہ یہ ازلی فیصلہ قرآنِ کریم میں قطعی و حتمی اسلوب میں اس طرح مرقوم ہے :

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ: (اے مسلمانو، سُن رکھو کہ) تم اپنی جانوں اور مالوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے۔ اور تم اہلِ کتاب اور مشرکین سے بہت سی دل آزاری کی باتیں بھی ضرور سنو گے۔ اگر تم ثابت قدم رہو اور خدا سے ڈرتے رہو تو یہ بلند ہمتی کا کام ہوگا۔ (آل عمران: ۱۸۶)

یہ قرآنِ حکیم کی زندۂ جاوید آیات میں سے ایک ہے جو ایک قابلِ لحاظ پیش خبری کی شکل میں موجود تھی مگر اب اس کی صداقت پوری طرح ظاہر و باہر ہو چکی ہے۔ یوں تو تاریخی اعتبار سے اہلِ اسلام کو اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے کافی نقصان پہنچ چکا ہے۔ مگر دورِ رسالت کے بعد مشرکین (اَلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا) یا ہندوؤں سے زک اُٹھانا ایک تازہ ترین خبر ہے۔

یہ آیتِ کریمہ آج ہندستانی مسلمانوں کے حالات کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اور موجودہ حالات و واقعات کے پیشِ نظر ایسا لگتا ہے کہ یہ آیتِ کریمہ آج ہی اور ابھی ابھی نازل ہوئی ہے جو خصوصیت کے ساتھ ایک حیثیت سے ہندستانی مسلمانوں کے حالات کی ترجمانی کرتی ہے تو دوسری حیثیت سے موجودہ عرب ممالک کی زبوں حالی کی بھی عکاسی کر رہی ہے۔ کیونکہ ہندستانی مسلمانوں کو مشرکین سے سابقہ پڑا ہے تو عرب ممالک کو یہودیوں اور مسیحیوں (اہلِ کتاب) سے یہ آیتِ کریمہ بیک وقت ان دونوں شقوں کی جامع اور ایک حیرت انگیز کلیہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس آیتِ کریمہ کے الفاظ اور اُس کے معانی و مطالب پر ایک نظر ڈالئے تو آپ پر کلامِ خداوندی کا اعجاز منکشف ہو جائے گا۔ چنانچہ تاکیداً کہا جا رہا ہے کہ تمہاری آزمائش دو چیزوں میں ہو کر رہے گی۔

۱۔ مال و متاع اور املاک و جائیداد کا نقصان،

۲۔ افرادِ ملت کا کشت و خون۔

اس کے علاوہ ایک تیسری چیز کی بھی خبر دی گئی ہے کہ محض تمہارے مالوں اور جانوں ہی کا نقصان نہیں ہوگا بلکہ تم کو بہت سی دل آزاری کی باتیں بھی ضرور سُننی پڑیں گی۔ اس دل آزاری کی باتوں میں دین کی تحقیر، ملی شعائر کی تضحیک، پیمبر کی توہین، بزرگانِ ملت کا استہزاء، قومی روایات کا مضحکہ اور ہر قسم کا

لعن طعن داخل ہو جاتا ہے، جس سے آج ہندستان کے اکثریتی فرقے کے انتہا پسندوں کے ہاتھوں ہندستانی مسلمان اور یہودیوں اور عیسائیوں (اسرائیل اور یورپ و امریکہ کے باشندوں) کے ہاتھوں عرب ممالک دوچار ہیں۔ یہی تین باتیں ہیں جن کی اس آیتِ شریفہ میں خبر دی گئی ہے اور یہ تینوں باتیں آج پوری طرح صادق آچکی ہیں۔ آج اہلِ اسلام کو جو بھی نقصان پہنچ رہا ہے وہ انہی تین اُمور میں محصور ہے۔

موجودہ مشکلات کا انقلابی حل

یہ آیتِ پاک نہ صرف ایک عظیم پیش خبری ہے — جو پوری ہو چکی ہے — بلکہ حیرت انگیز طور پر ایک زبردست پیامِ عمل اور بشارت بھی ہے جو موجودہ مسلمانوں کو اپنی ذلت و مسکنت کے طوفانی بھنور سے نکل باہر آنے کے لئے ایک انقلابی حل کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ اس میں دو ایسی اُصولی ہدایات درج ہیں جو موجودہ جاں بلب مسلمانوں کے لئے تریاق کا حکم رکھتی ہیں اور ان میں پورے دین کی رُوح اور اُس کا جوہر و خلاصہ بھی آگیا ہے۔ گویا کہ پورے اسلام کا عطر کشید کر لیا گیا ہے۔

۱۔ مصائب و آفات سے گھبرائے بغیر دینِ حق اور اُس کے احکام پر سختی اور ثابت قدمی کے ساتھ جمے رہنا اور حالات سے عزم و حوصلہ اور بیدار مغزی کے ساتھ پنجہ آزمائی کرتے رہنا۔ اس کا نام اسلامی اصطلاح میں "صبر" رکھا گیا ہے[1] (وَاِنْ تَصْبِرُوْا ....)

۲۔ اللہ سے ہر حال میں ڈرتے رہنا اور بُرائیوں کے خارزار سے اپنا دامن بچائے رکھنا۔ بالفاظِ دیگر خُدا کے وجود کے عقیدے کو محض مسجد اور منبر و محراب تک ہی محدود نہ کرتے ہوئے پورے کارزارِ عمل اور چوبیس گھنٹوں والی زندگی میں خُدا کے حاضر و ناظر ہونے کے عقیدے کو مستحضر رکھنا۔ اس کے بغیر دُنیا سے بُرائیوں کا خاتمہ نہیں ہو سکتا اور انسان کا کردار و کیرکٹر درست نہیں ہو سکتا۔ اسی کا نام اسلامی اصطلاح میں "تقویٰ" ہے۔ (...... وَتَتَّقُوْا) جس کے لغوی معنی ڈرنے اور بچنے کے ہیں۔ یعنی اللہ سے ڈرتے رہنا اور بُرائیوں سے بچتے رہنا۔ تقویٰ کا صحیح مطلب ہے دُنیا جہاں والوں کی وفاداریوں سے مُنہ موڑ کر محض اللہ کے وفادار بنے رہنا۔ اور صبر کا صحیح مطلب ہے، اس وفاداری (تقویٰ) پر ڈٹے اور جمے رہنا۔

---

[1] آج کل عام طور پر صبر کا جو مفہوم چل پڑا ہے، یعنی کسی مُصیبت یا ظلم کو انگیز کرتے ہوئے اُف تک بھی نہ کہنا۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔

یہ ہے "وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا" کی اصل حقیقت۔ جب تک کسی اُمت میں یہ دو رُوحانی صفات موجود و برقرار رہتی ہیں وہ منصبِ خلافت پر قائم اور دنیا کی امام بنی رہتی ہے۔ مگر جب ان صفات میں اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے اور وہ پامال ہونے لگتی ہیں تو پھر وہ اُمت بھی زوال و انحطاط کی چکی میں پس جاتی ہے۔ یہ خدائے تعالیٰ کا ازلی و ابدی فیصلہ ہے، جس میں کبھی ردّ و بدل نہیں ہوتا۔ اسی لئے ان صفات کو اُولو العزمی کے کام کہا گیا ہے۔ (اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ) اور یہی وجہ ہے کہ تقویٰ اور صبر کی جگہ جگہ فضیلت وارد ہوئی ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ : خُدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اُس سے ڈرنے والا ہو۔ (حجرات : ۱۳)

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ : حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی تقویٰ اختیار کرے گا اور ثابت قدم رہے گا تو اللہ ایسے محسنوں کا اجر ضائع نہیں کرے گا۔ (یوسف : ۹۰)

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ : (اور نیکی دراصل اُن لوگوں کی ہے) جو تنگی، مُصیبت اور جنگ کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہوں۔ یہی سچے لوگ ہیں اور یہی صاحبِ تقویٰ ہیں۔ (بقرہ : ۱۷۷)

مُسلمانوں کے اصل ہتھیار

صبر و تقویٰ مسلمان کے دو زبردست ہتھیار ہیں، جن کے ذریعہ وہ پُوری دُنیا کو زیر کر کے اُس کی کایا پلٹ سکتا ہے، خواہ دشمن کتنا ہی قوی اور زبردست کیوں نہ ہو۔ یہ خُدا کا وعدہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ : اور اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کئے رہو تو تم کو (اہلِ کتاب کا) خفیہ داؤ گھات کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ اللہ ان کے اعمال اور تمام کارروائیوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (لہٰذا وہ اُن کی چالوں کو ناکام بنائے گا۔) (آلِ عمران : ۱۲۰)

حاصل یہ کہ ان دو صفات کو اپنے اندر پیدا کئے بغیر "خلافتِ ارضی" کے میدان میں کامیابی و کامرانی کا حصول ممکن نہیں۔ اور ان دو صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے بہت زیادہ جدوجہد کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ دو صفات نہ صرف دینِ اسلام کا جوہر اور اُس کا خلاصہ ہیں، بلکہ پورے فلسفۂ تاریخ کا عطر اور اُس کا نچوڑ بھی ہیں، جن پر کسی بھی قوم کے عروج و زوال کا دار و مدار ہے۔ اسی بنا پر زیرِ بحث عظیم آیت (آلِ عمران : ۱۸۶) میں صبر و تقویٰ کو بلند ہمتی اور اُولو العزمی کے کام کہا گیا ہے۔ لہٰذا ان صفات کو حقیر و معمولی سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

تاریخِ اسلام کی تمام معجزانہ کامیابیاں، صحابۂ کرام کی ساری کشور کشائیاں اور قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کے کُل شاندار کارنامے انہی دو جادو بھری صفات کا نتیجہ تھے، جن کے ذریعہ انہوں نے پوری دنیا کو مسخر کر لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ تقویٰ اور اخلاق و کردار کی عظمت اور تجلّیوں کی بدولت پھیلا ہے۔

کلماتِ تسکین و دل بستگی

مذکورۂ بالا عظیم و ناقابلِ فراموش آیت (آلِ عمران : ۱۸۶) آج ایک خُدائی تازیانہ بن کر موجودہ مُسلمانوں کو بیدار کر رہی ہے۔ نیز وہ اپنے جلو میں یہ پیامِ حیات اور نویدِ تازہ بھی لائی ہے کہ مُسلمان ــــ خواہ وہ ہندی ہوں یا عرب ــــ کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے زبردست پروپگنڈے اور دامِ تزویر میں نہ آئیں اور کبھی اُن کے سامنے ہتھیار نہ ڈالیں۔ جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۔ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۔ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ : اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی بات مان لوگے تو وہ تم کو ایڑیوں کے بل لوٹا دیں گے۔ (یعنی تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں گے) پھر تم گھاٹے میں رہ جاؤ گے۔ اللہ تمہارا حامی و مددگار ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔ (چنانچہ) ہم عنقریب ان کافروں کے

دلوں میں رعب ڈال دیں گے، ان کے شرک کی بنا پر جس کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری ہے۔ (یعنی علمی حیثیت سے شرک کی کوئی دلیل بن نہیں سکتی) اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے، جو ناحق کوشوں کے لئے بڑی بُری جگہ ہے۔ (آل عمران: ۱۴۹-۱۵۱)

یہ آیات مدینہ منورہ میں جنگِ اُحد کی عارضی شکست کے بعد مُسلمانوں کی تسلی اور اُن کے اطمینانِ قلب کے لئے نازل ہوئی تھیں۔ چنانچہ ان آیات کے نزول کے وقت اجتماعی حیثیت سے مدنی مُسلمانوں کے جو حالات تھے، ایک حیثیت سے آج بھی وہی تمام حالات موجود ہیں۔ جس طرح آغازِ اسلام کے وقت مدنی دَور میں مُسلمانوں کی قلّت تھی، آج بھی مسلمان ایک ارب ہونے کے باوجود، دُنیا کی ساڑھے پانچ ارب آبادی کے مقابلے میں قلیل ہی ہیں۔ اور تمام طاغوتی طاقتوں نے ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے پر سمجھوتہ کرلیا ہے۔ دُنیا کے تقریباً تمام ممالک میں مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اور ہر جگہ ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔

ابو داؤد اور بیہقی کی ایک حدیث میں ہے:

" قریب ہے کہ قومیں تم پر حملہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو اس طرح پکاریں گی (یعنی تم پر متحدہ حملہ کریں گی) جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالے پر گرتے ہیں۔ حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا یہ اس لئے کہ اُس زمانے میں ہم مسلمانوں کی تعداد کم ہوجائے گی؟ فرمایا، نہیں تمہاری تعداد اُن دنوں بہت بڑی ہوگی۔ لیکن تم ایسے ہوجاؤ گے جیسے سیلاب کی سطح پر کف اور خس و خاشاک ہوتا ہے۔ (کہ سیلاب ان کو بہالے جاتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب دُور کردے گا، اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا۔ کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ کمزوری کیا ہوگی؟ فرمایا دُنیا (فوائدِ دُنیا) کی محبت اور موت سے کراہت۔"

غرض جنگِ اُحد کے موقع پر مُسلمانوں کو ان کی ایک غلطی کی بنا پر بطورِ تنبیہہ ایک کاری زخم لگایا گیا تھا۔ اسی طرح آج بھی ایک عمومی انتباہ اور بیداری کے لئے مُسلمانوں کے دلوں کو چھلنی کیا جا رہا ہے، تاکہ وہ پوری طرح ہوش میں آئیں اور اللہ کی طرف رجوع و انابت کا راستہ اختیار کریں۔

اس لحاظ سے آیاتِ بالا مدنی دور کی طرح آج بھی پیامِ تسکین و بشارت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس سے

ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم ہر دور کے لئے ہدایت نامہ ہے اور وہ ہر دور کے حالات و کوائف پر منطبق ہو سکتا ہے۔ وہ قیامت تک پیش آنے والے نازک مراحل میں بھی نوعِ انسانی کی عموماً اور اہلِ اسلام کی خصوصاً ہدایت و رہنمائی کرنے کی بڑی زبردست صلاحیت رکھتا ہے۔

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں ہے: "قرآن میں تم سے پہلے کی خبریں بھی ہیں اور تمہارے بعد پیش آنے والے حالات و واقعات بھی۔ وہ تمہارے تمام معاملات میں قاضی و جج ہے۔ وہ ایک فیصلہ کُن کلام ہے۔ کوئی کھیل تماشہ نہیں۔"

ایک دوسری پیشگوئی

ابھی اُوپر جو آیات نقل کی گئی ہیں (آل عمران: ۱۴۹-۱۵۱) ان میں ایک دوسری زبردست پیشگوئی بھی موجود ہے، جو عصرِ حاضر کے زخمی دلوں پر پھایا رکھتی اور ان کی مرہم پٹی کرتی ہے۔ یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ مشرکین و کفار کے دلوں میں رعب و ہیبت طاری کردے گا، جس کے باعث وہ اپنے ناپاک عزائم میں کبھی کامیاب نہ ہوسکیں گے، بلکہ انہیں شکست و ریخت کا سامنا ہوگا اور نصرتِ الٰہی تمہارے ساتھ رہے گی، بشرطیکہ مسلمان دینِ حق پر ثابت قدم رہیں، اور تقویٰ کے "ہتھیاروں" سے مُسلح ہوجائیں، ورنہ پھر کُفر و باطل کی شکست و ریخت ممکن نہ ہوسکے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ جو قوم ان دو صفاتِ سرمدی (صبر و تقویٰ) سے متصف ہوتی ہے، پوری دُنیا اُس سے لرزنے اور کانپنے لگ جاتی ہے۔ خُدا ان کے دلوں میں رعب و دبدبہ ڈال دیتا ہے۔ اور جو قوم ان صفات سے عاری ہوتی ہے وہ خود دیگر اقوام سے ڈرتی اور خوف محسوس کرتی ہے۔ بات یہ ہے کہ جس دل میں خُدا کا خوف سما چکا ہوگا اُس میں مخلوق کا خوف سرایت نہیں کرسکے گا۔ گویا کہ ایک عابد و متقی دل ہمیشہ "خوف پروف" ہُوا کرتا ہے۔ یہ بڑی عجیب و غریب خاصیت ہے، جس کا حیرتناک نظارہ دُنیا نے بارہا اسلامی فتوحات کی شکل میں کیا ہے۔ اس حقیقت کی نقاب کشائی آیتِ ذیل میں اس طرح کی گئی ہے:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ : ہمت

نہ ہارو اور غم نہ کرو۔ تم ہی غالب و سربلند رہو گے اگر تم مومن رہے۔ (آل عمران: ۱۳۹)

یعنی اگر دنیا میں تمہارا رعب و دبدبہ، شان و شوکت اور حکومت و خلافت برقرار رہ سکتے ہیں تو صرف ایمان اور پختہ ایمان ہی کی حالت میں۔ شاعرِ مشرق کیا خوب فرما گئے ہیں ؎

یقیں محکم، عمل پیہم، محبّت فاتحِ عالم — جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں ؎

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود — ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

پیامِ عمل

قرآن نے آج سے چودہ سو سال قبل مسلمانوں کو جو پیامِ عمل دیا تھا اور اُن سے جو وعدے کئے تھے وہ آج بھی اپنی جگہ قائم و برقرار اور پتھر کی لکیر بنے ہوئے ہیں۔ خُدا کی باتیں اور اُس کے وعدے کبھی نہیں بدلتے، خواہ صدیاں بیت جائیں اور ہزاروں تغیرات و انقلابات آجائیں۔ بہرحال مسلمان جب تک اپنی موجودہ روش اور اپنے نفسی حالات و کوائف نہیں بدلتے اور کارزارِ عمل میں یقینِ محکم کے ساتھ سعی و جہد اور عملِ پیہم کے لئے تیار نہیں ہو جاتے ان کی موجودہ پستی و زبوں حالی کبھی نہیں بدل سکتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ : اللہ کسی قوم کی حالت کو (زبردستی) نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے حالات و نفسیات کو بدل نہ لے۔ (رعد: ۱۱)

اور علامہ اقبال نے اس حقیقت کی ترجمانی اس طرح کی ہے ؎

خُدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی — نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

علامہ موصوف ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں ؎

چمن میں رختِ گُل شبنم سے تر ہے — سمن ہے سبزہ ہے بادِ سحر ہے
مگر ہنگامہ ہو سکتا نہیں گرم — یہاں کا لالہ بے سوزِ جگر ہے

ایک اور جگہ فرمایا ہے ؎

اے لا الٰہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں — گفتارِ دلبرانہ کردارِ قاہرانہ
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے — کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ

علامہ موصوف ہی کا ایک اور شعر ہے ؎

تُو اے مُسافرِ شب خود چراغ بن اپنا — کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

ایک ابتلاء اور آزمائش

قرآنِ حکیم کی ہمہ گیری

قرآنِ مجید میں جدید سے جدید تر علوم و فنون، اشخاص و افراد، افکار و نظریات، انسان کے قلبی و نفسی حالات و کوائف اور تمام اجتماعی تحریکات کی تمثیلیں بیان کی گئی ہیں اور ہر چیز کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ تاکہ ہر دور کے تقاضے کے مُطابق عالمِ بشری کی رہنمائی ہو سکے۔ اس لحاظ سے جدید سے جدید تر اور مشکل سے مشکل تر حالات میں بھی اس کتابِ حکمت میں بنی نوعِ انسان کی عموماً اور اہلِ اسلام کی خصوصاً رہبری و پیشوائی کرنے کی بڑی زبردست صلاحیت موجود ہے اسی لئے کہا گیا ہے:

لَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ : ہم نے تمہارے پاس یقیناً ایک ایسی کتاب بھیج دی ہے جس میں تمہارا تذکرہ (داستان) موجود ہے۔ (انبیاء: ۱۰)

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ : اور ہم نے وہ کتاب اُتاری ہے جو ہر چیز کی وضاحت کرنے والی ہے۔ (نحل: ۸۹)

مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ : ہم نے اس کتاب میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ (انعام: ۳۸)

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ

اور ہم نے نوعِ انسانی کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان کر دی ہے تاکہ وہ چونک سکے۔ (زمر: ۲۷)

ترمذی شریف کی یہ حدیث اُوپر گزر چکی ہے: قرآن میں تُم سے پہلے کے واقعات بھی موجود ہیں اور تمہارے بعد کی خبریں بھی۔ وہ تمہارے تمام معاملات میں فیصلہ کرنے والا ہے۔ وہ قولِ فیصل ہے۔ کوئی

مذاق نہیں ۔ (ترمذی : ابواب ثواب القرآن)

یہ حدیثِ شریف آیاتِ بالا کے اجمالات و ابہامات کی بہترین شرح و تفسیر کر رہی ہے ۔ اس کا مصداق ہر دَور میں ظاہر ہوتا رہے گا ۔

چند زندہ جاوید آیات

اس لحاظ سے قرآنِ حکیم پر نظر ڈالی جائے اور اُس کے مضامین میں غور و فکر کرکے اس کے معانی و مطالب کی گہرائیوں تک پہنچا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک بالکل تازہ ترین " جریدۂ انسانیت " ہے ۔ جس میں ہر ضروری چیز کا کافی و شافی بیان موجود ہے ۔

قرآنی آیات میں بڑی لچک اور وسعت رکھی گئی ہے ۔ جن کی حیثیت ایسے اُصول و کُلیات کی ہوتی ہے جو ہر دور میں صادق آسکتے ہیں یا ایسی صفات اور تمثیلیں بیان کی جاتی ہیں، جن کا مصداق ہر زمانے میں ظاہر ہوسکتا ہے ۔ یہ عظیم خصوصیت صرف کلامِ الٰہی میں ہی پائی جاسکتی ہے ۔ غرض حسبِ ذیل آیات میں جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ حیرتناک حد تک آج ہندستان کے اکثریتی فرقے کے انتہا پسندوں اور اُن کے لیڈروں پر پُوری طرح صادق آتی ہیں ۔ حالات و واقعات کی روشنی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان آیاتِ کریمہ کا ایک ایک لفظ گویا کہ انہیں کے حق میں بولا گیا ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۔ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۔ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۔ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ۔ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۔ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۔ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۔ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۔ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ : پس تُو (اللہ کو) جُھٹلانے والوں کی بات مت مان ۔ یہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تُو کسی طرح نرم ہوجائے تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں ۔ اور تُو کسی ایسے شخص کا کہا مت مان جو بڑا قسمیں کھانے والا ، بے وقار ، عیب گو اور چلتا پھرتا چغل خور ہو ، جو (لوگوں کو) بھلائی سے روکنے والا ، حد سے بڑھنے والا اور سخت گنہگار ہو ، سخت مزاج اور ساتھ ہی بدنام بھی ۔ اس کی یہ ساری سرکشی اس بنا پر ہے کہ وہ مال اور اولاد والا ہے ۔ جب اس کے سامنے ہمارے دلائل رکھے جاتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو اگلوں کی خرافات

ہیں ۔ ہم بہت جلد اُس کی سُونڈ پہ داغ لگائیں گے ۔ (قلم : ۸ ۔ ۱۶)

ایک حیرت انگیز مُطابقت

قرآن نے اس موقع پر نو صفات گنائی ہیں ۔ جن میں ہر قسم کی بدترین اخلاقی بُرائیاں آجاتی ہیں ۔ قرآنِ کریم کے دورِ نزول میں ان آیات کا مصداق ولید بن مُغیرہ نامی ایک شخص تھا جو ان قبیح صفات سے متصف تھا ۔ (تفسیرِ جلالین) ۔ مگر یہ آیات کسی ایک شخص کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ قیامت تک ہر اُس مُنکر و معاند پر صادق آسکتی ہیں جو ان بُری صفات کا حامل ہو ۔ اس لحاظ سے یہ آیاتِ کریمہ حیرت انگیز طور پر ہندستان کی فسطائی جماعتوں کے لیڈروں اور انتہا پسندوں پر پوری طرح چسپاں ہوسکتی ہیں ، جن کی معاندانہ حرکتیں اور سرگرمیاں تمام اخلاقی حدود پار کرچکی ہیں ۔ ان صفات کا مصداق ملاحظہ ہو :

۱۔ حلّاف : اُس کو کہتے ہیں ، جو جُھوٹی قسمیں کھانے کا عادی ہوچکا ہو ۔ چنانچہ آج بعض لوگ کبھی تو مسلمانوں کو " ہندیانے " کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو کبھی ہندی مسلمانوں کے ہندو ہونے کا پروپگنڈہ کرتے ہیں ۔ تاکہ کسی نہ کسی طرح اُن کی شُدھی کرنے کا جواز ہاتھ آسکے ۔ مُسلمانوں پر بات بات پر نکتہ چینی کی جاتی ہے ۔ انہیں طعنے دیئے جاتے ہیں اور طرح طرح کے بے بنیاد الزامات عائد کیئے جاتے ہیں[1] ۔ اور ان تمام باتوں کا پروپگنڈہ وہ کچھ اتنے یقینی اور قطعی انداز میں کرتے ہیں ، جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ گویا وہ قسمیں کھارہے ہیں ۔

۲۔ مَھین : اس کو کہتے ہیں جو اپنی کمینہ حرکتوں کی بنا پر خالق و مخلوق دونوں کی نظر میں ذلیل اور بے وقعت ہوچکا ہو ۔ یہ صفت بھی ان لوگوں پر پوری طرح صادق آتی ہے ۔ کیونکہ ان کے نزدیک دین و

---

[1] ان الزامات تراشی کی حقیقت و نوعیت بالکل اسی قسم کی ہے جس طرح ایک بھیڑیئے اور بکری کے بچّے کا واقعہ مشہور ہے ۔ کہتے ہیں کہ ایک بھیڑیا ایک ندی پر پانی پینے کے لئے آیا تو اُس کی نظر ایک بکری کے بچّے پر پڑی جو نشیب میں پانی پی رہا تھا ۔ بھیڑیئے نے سوچا کہ کسی ترکیب سے اسے چٹ کرنا چاہیئے ۔ چنانچہ اس نے گرج کر کہا کہ ابے او بدتمیز تُو نے سارا پانی گندہ کردیا ہے ۔ اب میں کیا پیوں گا ؟ بکری کے بچّے نے جواب دیا کہ حضورِ والا آپ بلندی کی طرف کھڑے ہیں اور میں نشیب میں ہُوں ۔ پانی آپ کی طرف سے آرہا ہے ۔ لہٰذا آپ کا پانی گندہ کیسے ہوگیا ؟ بات معقول تھی ۔ مگر بھیڑیئے نے پینترا بدل کر کہا کہ اب تُو نے مجھے گزشتہ سال گالی کیوں دی تھی ؟ بکری کے بچّے نے انکساراً کہا کہ جناب والا گزشتہ سال تو میں پیدا بھی نہیں ہُوا تھا ، کیونکہ میری عمر صرف چھ ماہ کی ہے ۔ مگر بھیڑیئے نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہا ۔ تُو نے نہیں تو پھر تیرے باپ نے ضرور گالی دی ہوگی ۔ یہ کہہ کے ایک جست لگائی اور بکری کے بچّے کو دبوچ لیا ۔

اخلاق اور کردار و کیرکٹر کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنی مقصد برآری کے لئے غنڈہ گردی پر اُتر آتے ہیں اور اپنی بات کو ڈنڈے کے زور پر منوانا چاہتے ہیں۔

۳۔ ھَمّاز: یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی بہت زیادہ نکتہ چیں اور عیب جُو، بات بات میں کیڑے نکالنے والا اور طنز و تعریض کے ذریعہ لوگوں کے دل دُکھانے والا۔ اس کا مصداق بھی صاف ظاہر ہے کہ مُسلمانوں کو بلاوجہ طنز و تعریض کا نشانہ بنانا ان لوگوں کا محبوب ترین مشغلہ دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ کبھی تو مُسلمانوں کی قومی روایات پر اعتراض کیا جاتا ہے تو کبھی مسلمانوں کے تاریخی واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر پیغمبرِ اسلامؐ پر بے بنیاد اور شر انگیز الزامات عائد کرکے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے جاتے ہیں۔

۴۔ مَشّاء بنمیم: مشّاء بھی مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی بہت چلنے والا اور نمیم کے معنی چغلی کھانے کے ہیں۔ مطلب یہ کہ بڑا ہی چغل خور اور چلتا پُرزہ جو ادھر اُدھر کی لگا کر لوگوں میں فتنہ فساد مچاتا پھرے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ آئے دن بے بنیاد اور خواہ مخواہ کے الزامات تراش کر مُسلمانوں کے خلاف کان بھرنے میں یکتا اور ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا کر فرقہ وارانہ فسادات برپا کرنے میں کافی نام پیدا کر چکے ہیں۔

۵۔ مَنّاع للخیر: بھلائیوں سے بہت زیادہ روکنے والا' کارِ خیر میں رکاوٹ ڈالنے والا، یا وسیع معنی میں کسی بھی کارِ حیات میں روڑے اٹکانے والا۔ چنانچہ ان لوگوں کو مُسلمانوں سے اتنا حسد اور اللہ واسطے کا بیر ہے کہ ان پر ہر قسم کی معاشی ترقیوں کے دروازے بند کر دینے کے درپے رہتے ہیں۔ اقلیتی فرقے کے افراد اگر کسی اُونچے عہدے پر فائز ہوں تو ان کی پگڑی اُچھالنے اور انہیں گرانے کی سعی کرتے ہیں۔ مُسلمانوں کے کسی خوشحال طبقے کو دیکھ کر ان کے سینوں پر سانپ لوٹ جاتا ہے۔ یہ لوگ انہیں معاشی حیثیت سے تباہ و برباد کرکے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دینا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان مجبور ہو کر یا تو ان کی بات مان لیں اور ان کے تمام مطالبات کو تسلیم کرلیں یا اپنے وطنِ عزیز کو خیرباد کہہ دیں۔ خصوصیت کے ساتھ نام نہاد فرقہ وارانہ فسادات میں، جو دراصل بالکل یک طرفہ جارحیت ہوتی ہے، مسلمانوں کی املاک و جائیداد کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے اور انہیں معاشی حیثیت سے بدحال و کنگال کر دینے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ وہ بالکل بے دست وپا

ہو کر رہ جائیں۔

۶۔ مُعتد: یہ اعتداء سے مشتق ہے، جس کے معنی حد سے بڑھ جانے اور حدود و ضوابط سے تجاوز کر جانے کے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ فقرۂ بالا میں بیان کردہ بھلائیوں اور آسائشوں سے روکنے کے لئے ایسے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں جو تمام انسانی حدود اور اخلاقی ضوابط سے متجاوز ہو چکے ہوں۔

۷۔ اثیم: سخت گنہگار۔ یہ مذکورۂ بالا شنیع اور قابلِ مذمت کارگزاریوں کا لازمی نتیجہ ہے۔

۸۔ عُتُل: سخت مزاج، ستم گار، بداخلاق، اُجڈ، بدکار، زشت خو، شدید جھگڑالو، بڑی توند والا، بہت زیادہ پیٹو۔ وغیرہ۔

چنانچہ مذکورۂ بالا ظلم و ستم اور ناحق کوشیاں ہی کیا کم تھیں کہ مزید برآں جامۂ انسانیت سے باہر ہو کر مسلمانوں کو ہر وقت جھڑکیاں دیتے اور سخت و سُست سُناتے رہتے ہیں یا اُلٹے انہیں کو مجرم گردانا جاتا ہے۔ اور انہیں کو موردِ الزام ٹھہرا کر اُلٹے مقدمے دائر کئے جاتے ہیں۔

۹۔ زنیم: بدنام، جو کسی بُری علامت میں مشہور ہو، مہتم النسب، غنڈہ وغیرہ۔ چنانچہ اُوپر گنائی گئی بُرائیاں اور سیاہ کاریاں غنڈہ گردی نہیں تو پھر کیا ہے؟ انارکی اور لاقانونیت کس چیز کا نام ہے؟ براج اور جنگل کا قانون آخر کہتے کس کو ہیں؟ غور فرمائیے کہ ان تمام حقائق کے بیان میں کتنی گہری منطقی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے۔

اکثریت کا نشہ

اس کے بعد ارشادِ باری ہے: "یہ ساری سرکشی اور دھاچوکڑی محض اس بنا پر ہے کہ وہ صاحبِ مال اور صاحبِ اولاد ہے۔" (أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ)۔ مطلب یہ کہ وہ مال داری اور اکثریت کے بل بوتے پر اُودھم مچاتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہاں پر صُلبی اولاد ہی نہیں بلکہ مجازاً ابنائے وطن اور پیرو کار بھی مُراد ہیں۔ اقبالؔ نے کہا ہے ؎

جس کو ہم نے آشنا لُطفِ تکلّم سے کیا
اُس حریفِ بے زباں کی گرم گفتاری بھی دیکھ

"جب اُس کے سامنے دلائل و شواہد پیش کئے جاتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو اگلوں کی خرافات ہیں۔"

(اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ) ۔ یعنی یہ لوگ عقل و دلیل اور حجت و بُرہان کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ ڈنڈے کی زبان میں بات کرنے کے عادی ہیں اور دم خم یہی ہے کہ ہم مسلمانوں کو یا تو شُدھی کر کے رہیں گے یا انہیں تڑی پار کر دیں گے ۔ اُن کی منطق یہ ہے کہ چونکہ ہم لوگ اکثریت میں ہیں، اس لئے مسلمانوں کو بے چوں وچرا ہمارے احکام کی تعمیل کرنی چاہیئے ۔

ایک بلیغ ربانی تبصرہ

مذکورہ بالا شقاوت، قساوتِ قلبی، بے رحمی، بداخلاقی، شوریدہ سری، ڈانٹ ڈپٹ، گھن گرج، آتش نوائی اور لاقانونیت کے جواب میں ایک مختصر مگر بہت بلیغ تبصرہ فرمایا کہ " ہم اُس کی سُونڈ (ناک) پر داغ لگائیں گے "۔ اس انوکھی اور نادر ترین تشبیہ کا جواب نہیں ہے، جو کئی کئی صفحات کی تنقید پر بھاری ہے ۔ خرطوم دراصل ہاتھی کی سُونڈ کو کہتے ہیں جو اس موقع پر اہانت کے لئے بولا گیا ہے ۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ اس سے مراد آخرت کا عذاب بھی ہو سکتا ہے اور کوئی دنیوی عذاب بھی ۔ (منهم من قال هذا الرسم يحصل فى الأخرة ومنهم من قال يحصل فى الدنيا) ۔

پیامِ نجات اور صوتِ سرمدی

پیامِ تازہ

آج ہندستانی مسلمان اپنی ابتلاء و آزمائش کے جس نازک ترین دور سے گزر رہے ہیں ہندستان کی پوری تاریخ میں اس سے زیادہ نازک اور کٹھن مراحل کبھی نہیں گزرے ہیں ۔ ایسے مشکل اور ناگفتہ بہ حالات میں آج ہندستانی مسلمانوں کے لئے خصوصی طور پر ربانی ارشاد و ہدایت یہ ہے : " تم مکذّبینِ حق کی اطاعت مت کرو اور اُن کا کہنا ہرگز نہ مانو " (فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ) ۔ خواہ وہ اکثریت ہی میں کیوں نہ ہوں ۔ یعنی کفار و مشرکین کے پروپگنڈے سے متاثر اور خائف ہو کر ان کے مطالبات کے آگے سر نہ جھکاؤ اور اپنی تہذیب و کلچر کا سودا کسی حال میں مت کرو[1] ۔ اگر تم دینِ حق پر ثابت قدم رہو گے، تو تمہاری

[1] ان آیات میں ہندستانی مسلمانوں کی کوئی تخصیص نہیں ہے ۔ بلکہ اس قسم کے حالات جہاں بھی پائے جائیں گے وہاں پر ان کا مصداق ظاہر ہو سکتا ہے ۔ واضح رہے کہ یہاں پر خطاب اصل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، جو واحد کے صیغے کے ساتھ ہے ۔ آپ کے واسطہ سے یہ خطاب قیامت تک پوری اُمت سے رہے گا ۔

کامیابی و کامرانی یقینی ہے ۔ کفار و مشرکین تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے ۔ جیسا کہ دیگر مقامات میں تصریح کی گئی ہے :

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ: اے ایمان والو! اپنی جانوں کی حفاظت کرو ۔ اگر تم راہ یاب ہو جاؤ تو گمراہ لوگ تمہارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے ۔ (مائدہ : ۱۰۵)

يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا : اے نبی اللہ سے ڈرو اور کُفار و منافقین کی اطاعت مت کرو ۔ یقیناً اللہ بڑا ہمہ دان اور دانشمند ہے ۔ (احزاب : ۱)

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا : اور تم اُس شخص کا کہا مت مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے ۔ جو اپنی خواہشِ نفس کے پیچھے چل پڑا ہو اور اُس کا معاملہ حد سے آگے بڑھ چکا ہو ۔ (کہف : ۲۸)

مُسلمانوں کی کوتاہی

آج مسلمانوں کی ابتلا و آزمائش دراصل غضبِ الٰہی کی ایک شکل ہے کہ مسلمانوں نے اپنا فریضۂ تبلیغ کیوں فراموش کر دیا جب کہ ان کو ساری اقوامِ عالم کی ہدایت کے لئے امام و رہبر بنا کر بھیجا گیا تھا :

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ : تم بہترین اُمت ہو جو نوعِ انسانی (کی اصلاح) کے لئے تیار کی گئی ہے ۔ (اور تمہاری ڈیوٹی یہ ہے کہ) تم (ہر ایک کو) بھلائی کا حکم دو اور بُرائی سے روکو ۔ (آل عمران : ۱۱۰)

یہ ایک المیہ اور مقامِ عبرت ہے کہ اسلام کے نام لیواؤں نے جب اپنے دین و ایمان، اُس کی تعلیمات اور اپنے اصل مقام و منصب کو فراموش کر دیا اور غیر مُسلموں میں دینِ حق کی تبلیغ و اشاعت سے مُنہ موڑ لیا، تو خود غیر مسلم آگے بڑھ کر اپنے دین و مذہب میں لے لینے کے لئے کوشاں اور سرگرمِ عمل نظر آرہے ہیں ۔ اور اس سلسلے میں ہر قسم کے جبر و اکراہ اور تشدّد کو جائز قرار دے رہے ہیں ۔ گویا کہ اہلِ اسلام کے اپنے اصل منصب کو

فراموش کر دینے کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان پر دوسروں کو مُسلّط کر دیا ہے۔

اگر مُسلمان اپنا فریضہ انجام دیتے رہتے اور اسلام کے ہدایت کردہ بہترین اصولِ اخلاق کی نوعِ انسانی کو تعلیم دے رہے ہوتے، جس کو آیتِ بالا میں "معروف" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، تو اس سے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوتے اور پُوری دُنیا اسلام اور اُس کے ابدی و سرمدی اُصولوں سے ضرور متاثر ہوتی۔ اور دوسری حیثیت سے کسی قوم کو اس دیدہ دلیری اور ڈھٹائی کے ساتھ مسلمانوں کو للکارنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اور نہ اُن کو یہ روزِ بد دیکھنا پڑتا۔ مگر شاید یہ نشتر بھی آج اس اُمتِ مرحومہ کو انتباہ اور عام بیداری کے لئے دیا جا رہا ہے تاکہ فاسد مواد نکل جائے۔

قرآن کیا ہے؟

اُوپر کی آیت میں "اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" (جو نوعِ انسانی کے لئے تیار کی گئی ہے) کے الفاظ پر غور کیجئے۔ "النّاس" سے مُراد پُورا عالمِ انسانی ہے۔ کیا مُسلمان اپنا یہ فریضہ انجام دے چکے ہیں؟ یا اب اپنی اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے مُوڈ میں ہیں؟ اللہ تعالیٰ تو صاف صاف فرماتا ہے:

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا : پس تم کافروں کی اطاعت مت کرو بلکہ اس (قرآن) کے ذریعہ زور و شور سے (ڈٹ کر) ان کا مقابلہ کرو۔ (فرقان: ۵۲)

مُسلمانوں کے اخلاق و کردار آج وہ نہیں رہے، جو کسی دور میں غیر قوموں کے لئے سامانِ کشش اور انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے ایک مثالی نمونہ تھے۔ اب ہمارے پاس صرف ایک ہی چیز باقی رہ گئی ہے، وہ ہے قرآنِ عظیم۔ اور ہمیں حکم ہو رہا ہے کہ ہم اس کے ذریعہ کفّار و مشرکین کا ڈٹ کر مقابلہ اور خوب جد و جہد کرتے رہیں۔ یعنی اس کے حیرت انگیز مضامین اور اس کے ابدی حقائق و معارف کی نشر و اشاعت کرتے رہیں۔ جیسا کہ آیتِ بالا کے سیاق سے ظاہر ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے کی دو آیتیں ملاحظہ ہوں:

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا فَاَبٰىٓ اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ نَّذِيْرًا : اور ہم نے لوگوں کے درمیان (قرآنی مضامین) کو مختلف اسالیب میں بیان کیا ہے، تاکہ وہ مُتنبّہ ہو سکیں۔ مگر بہت سے لوگ انکار ہی پر مائل رہتے ہیں۔

اور اگر ہم چاہتے تو ہر قوم میں ایک مُتنبّہ کرنے والے کو ضرور بھیج دیتے۔ (فرقان: ۵۰ - ۵۱)

یہاں پر یہ فلسفہ سمجھایا گیا ہے کہ اقوامِ عالم میں سے ہر ہر قوم کے لئے ایک ایک ہادی اور رہبر بھیجنے کے بجائے صرف قرآن کو اُتار دیا گیا ہے، جس میں تمام قوموں کی خصوصیات، ان کے عادات و اطوار، ان کے نفسی احوال و کوائف، اُن کے افکار و خیالات اور اُن کے تمام علوم و فنون کا بیان ودیعت کر دیا گیا ہے، تاکہ اقوامِ عالم ہر دور میں اس کے مضامین اور اس کے حقائق و معارف کے ملاحظہ سے مُتنبّہ ہو سکیں اور اس کو کلامِ الٰہی تسلیم کرنے پر مجبور ہوں۔ اسی بنا پر بعد کی آیت میں اہلِ اسلام کو حکم دیا گیا ہے کہ تم اس قرآن کے ذریعہ شد و مد کے ساتھ لوگوں کا مقابلہ کرو۔ اور اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ قرآن میں ہر دَور کی داستان موجود ہے۔ (فِيْهِ ذِكْرُكُمْ)۔ اب یہ اہلِ اسلام کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے اپنے دور کی داستان منکرین و معاندین کے سامنے پیش کر کے ان پر اتمامِ حُجّت کریں تاکہ اللہ کے پاس اُنہیں سُرخروئی حاصل ہو سکے۔

اللہ کا وعدہ

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اہلِ ایمان اور باعمل و صالح بندوں کی غیبی مدد اور نصرت و حمایت ضرور کرے گا۔ اس کے برعکس بے عمل و بدکردار اور شریر و مفسد لوگوں کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ بلکہ اُن پر ظالموں، جابروں اور جبّار و متکبّر لوگوں کو مسلّط کر دیا جائے گا، جو ان کو گاجر مُولی کی طرح کاٹ کر پھینکتے رہیں گے

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ : اور اہلِ اسلام کی نُصرت ہم پر واجب ہے۔ (روم: ۴۷)

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ : بلاشبہ اللہ ہی کی جماعت غالب رہے گی۔ (مائدہ: ۵۶)

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ : غلبہ و سربلندی اللہ کے لئے، اس کے رسول کے لئے، اور اہلِ ایمان کے لئے ہے۔ (منافقون: ۸)

وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ : یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (روم: ۶)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ. وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۔ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ، دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكٰفِرِينَ أَمْثَالُهَا ۔ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكٰفِرِينَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ : اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کروگے، (اُس کے دین پر قائم رہوگے) تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جما دے گا اور جو لوگ کُفر کی روش اختیار کریں گے تو اللہ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا۔ اور ان کے لئے ہلاکت و خواری ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ کے نازل کردہ (کلام) کو ناپسند کیا (اور اس سے مُنہ موڑ لیا) تو اُس نے ان کے اعمال اکارت کر دئے۔ کیا ان لوگوں نے (عالَم) ارض کی سیاحت نہیں کی تاکہ وہ مشاہدہ کرتے کہ ان سے پہلی قوموں کا انجام کیسا ہُوا ؟ اللہ نے تو ان قوموں کو تہس نہس کر کے رکھ دیا اور کافروں کے لئے بھی اسی قسم کے عذاب ہیں۔ یہ اس بنا پر ہے کہ اللہ اہلِ ایمان کا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔ (محمد: ۷-۱۱)

قانونِ ازلی

کارسازِ عالم کے یہ وعدے صرف اسی وقت پورے ہوسکتے ہیں اور مُسبّب الاسباب کی نُصرت و تائید صرف اسی وقت جلوہ گر ہوسکتی ہے جب کہ اہلِ اسلام دینِ حق پر پوری طرح کاربند رہیں اور فریضۂ تبلیغ سے غافل نہ ہوں۔ غیبی اسباب دراصل اسی وقت حرکت میں آتے ہیں جب کہ اہلِ اسلام اپنا فرض ادا کر کے منکرین و معاندین پر اتمامِ حجت کر چکے ہوں۔ جس کے بعد "سُنّتِ الٰہی" کا کوڑا جنبش میں آجائے گا۔ سورۂ محمد کی جو آیات اُوپر پیش کی گئی ہیں ان میں یہی فلسفہ جھلکتا دکھائی دے رہا ہے۔ بہرحال انبیائے کرام کی سُنّت اور دستور کے مطابق ہر دور میں اہلِ ایمان کی ابتلاء و آزمائش ہوتی ہے جس سے بد دل و مایوس نہ ہوجانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ازل ہی میں یہ فیصلہ کر دیا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ

وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِينَ : اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے۔ قدرے خوف، قدرے بھوک، جان و مال اور ثمرات (کھیتوں) کے تھوڑے سے نقصان میں۔ (ان مصائب سے گھبرائے بغیر) ثابت قدم رہنے والوں کو بشارت سنا دو۔ (بقرہ : ۱۵۵)

یہ چند ربّانی کلماتِ تسکین و دل بستگی ہیں جن کے جلو میں شکستہ دلوں کو جوڑنے، مُردہ دلوں میں زندگی کی نئی روح پھونکنے، مایوس و افسردہ افراد کے قُویٰ مجتمع کرنے، نا اُمیدی، یاس اور پژمردگی کے جراثیم کو دُور کرنے کا کافی سامان موجود ہے۔

خُدائی منصوبہ

ان مباحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم یقیناً کلامِ الٰہی ہے، جس میں قیامت تک پیش آنے والے تمام حالات و واقعات ایک عجیب و غریب اور اعجازی انداز میں درج ہیں۔ اور یہ نوشتۂ ہدایت پورے عالمِ بشری کے لئے عموماً اور اہلِ اسلام کے لئے خصوصاً ہر دور کے حالات و مقتضیات کے مطابق ہدایت و رہنمائی کرنے کی بڑی زبردست صلاحیت رکھتا ہے۔ نیز ان مباحث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی زمانے کے تقاضے اور اُس کی ضروریات سے غافل نہیں ہے۔ جس طرح کہ یہ حقیقت بھی بے نقاب ہوجاتی ہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی پیش آرہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور اس کی حیرت انگیز اسکیم و منصوبہ بندی کے مطابق ہی ہو رہا ہے۔

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا : (عالَم) ارض اور خود تمہاری جانوں میں جو بھی مُصیبت و آفت پڑتی ہے، اس کو زمین کی آفرینش سے قبل ہی ایک کتاب میں درج کیا جا چکا ہے۔ (حدید : ۲۲)

راہِ عمل

اب وقت آگیا ہے کہ مسلمان غفلت کی نیند سے بیدار ہو کر پوری طرح ہوش میں آجائیں اور سچے دل سے توبہ و استغفار کر کے بارگاہِ یزدانی میں رجوع و انابت کا راستہ اختیار کریں اور دینِ متین پر پُورے خلوص کے ساتھ کاربند ہو جائیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ : اے ایمان والو، اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی مت کرو جو تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (بقرہ : ۲۰۸)

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا : اور تم سب اللہ کی رسّی (قرآن) کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو، باہمی طور پر تفرقہ نہ برپا کرو۔ (آل عمران : ۱۰۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ ۔ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ : اے ایمان والو اگر تم کافروں کی تابع داری کروگے تو وہ تمہیں ایڑیوں کے بل لوٹا دیں گے۔ پھر تم گھاٹے میں رہ جاؤگے۔ بلکہ تمہارا حامی و مددگار اللہ ہی ہے جو بہترین مددگار ہے۔ (آل عمران : ۱۵۰)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا : اے ایمان والو! ایمان لاؤ (پوری طرح) اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس کی کتاب پر جس کو اُس نے اپنے رسول پر اُتارا ہے۔ اور اُس کتاب پر جو اُس سے پہلے وہ اُتار چکا ہے۔ اور جو کوئی اللہ کا، اُس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اُس کے رسولوں کا اور یوم آخرت کا انکار کرے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہوگا۔ (نساء : ۱۳۶)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ : اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور اُس کا قُرب تلاش کرو۔ اور اُس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاسکو۔ (مائدہ : ۳۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ : اے ایمان والو، اہل کتاب اور کافروں سے یارانہ مت کرو، جنہوں نے تمہارے دین کو ایک کھیل اور مذاق بنایا

ہے۔ اگر تم میں ایمان ہے تو اللہ سے ڈرتے رہو۔ (مائدہ : ۵۷)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۔ وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ : اے ایمان والو! اللہ اور رسول کا حکم بجا لاؤ، جب تُم کو اُس چیز کی طرف بلائے جس میں تمہاری زندگی ہے۔ اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اُس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اور یہ کہ تُم اس کی بارگاہ میں جمع کئے جاؤگے اور ڈرو اُس (عمومی) آفت سے جو صرف تمہارے گنہگاروں ہی تک محدود نہیں رہے گی (بلکہ تم سب اُس میں مبتلا ہو جاؤگے) اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (انفال : ۲۴-۲۵)

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ : خُدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود (اپنے ارادہ و اختیار سے) اپنے حالات و نفسیات نہ بدل لیں۔ (رعد : ۱۱)

اور علامہ اقبال نے فرمایا ؎

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندوستاں والو　　تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

ایک دوسرے موقع پر علامہ موصوف فرماتے ہیں ؎

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے　　خودی تیری مُسلماں کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں　　تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے

ایک اور جگہ فرماتے ہیں ؎

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم　　مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا　　ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

صحیفۂ تاریخ کا فیصلہ

تاریخ کی شہادت

یہ تو اسلام کے نام لیواؤں اور ان پر ہونے والے ظلم وستم کی رُوداد، اس سے بچنے کی تدبیر اور فلاح و کامرانی کی داستانِ بصیرت تھی۔ اب فلسفۂ تاریخ کی روشنی میں ظالم وجابر قوموں کے انجام اور ان کے جبر واستبداد کے عواقب ونتائج کی سرگذشت بھی ملاحظہ ہو۔

آج ہندستان ہی نہیں بلکہ دنیا کی اکثر وبیشتر قومیں صحیفۂ تاریخ کے اسباق کو بُھلا کر جبر وتشدد، ظلم وعدوان اور جارحیت وفسطائیت پر اُتر آئی ہیں۔ فلسفۂ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب کسی قوم کا نظامِ اخلاق بگڑ جاتا ہے اور وہ اقدارِ انسانیت کا پیرہن اپنے جسم سے نوچ کر پھینک دیتی اور جارحیت وبربریت کا نقاب اوڑھ لیتی ہے تو وہ دُنیا کے اسٹیج پر زیادہ دنوں تک ٹھہر نہیں سکتی۔ کیونکہ ظلم وعدوان کی کشتی پر جو سوار ہوتا ہے وہ دریا بُرد ہوتا ہے۔

آپ تاریخِ عالم کا مطالعہ کیجئے اور دُنیا کی کسی بھی قوم کے زوال وادبار اور اُس کے اسباب ومحرکات کا جائزہ لیجئے، آپ کو سب سے بڑا اور اہم ترین سبب کردار وکیرکٹر کا بگاڑ نظر آئے گا۔ یعنی ہر قوم اپنی تباہی وبربادی کے زمانے میں — اسٹیج چھوڑنے سے کچھ مدت پہلے — اپنے نظامِ اخلاق کے بدترین دور سے گزر رہی ہوتی ہے۔ گویا کہ اپنی موت وہلاکت سے پہلے "بیماری" اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہوتی ہے اور مریض اُکھڑی اُکھڑی سانسیں لینے لگ جاتا ہے، جس کو ایک ذرا سا تھپیڑا بھی موت کی نیند سُلا دیتا ہے۔

کسی قوم کا نظامِ اخلاق کیا بگڑتا ہے گویا کہ اُس کی قسمت پر مُہر لگ جاتی ہے۔ اگر فوری اصلاح اور علاج ومعالجہ نہ کیا جائے تو اس کو اندر ہی اندر گُھن لگ جاتا ہے جو بالآخر اس کو لے ڈوبتا ہے۔ یہ صحیفۂ تاریخ کا مسلّمہ کُلیہ اور اٹل قانون ہے جو آشوری وکلدانی، مصری ویونانی، بابلی ومدیانی اور رومی وساسانی اقوامِ عالم پر جس طرح صادق آچکا ہے، اسی طرح اُموی وعباسی، سلجوقی وفاطمی، ترک ومغل اور چنگیزی و تاتاری اقوام پر بھی پُورا اُتر چکا ہے۔ عرب ہو یا عجم، ایران ہو یا توران، چین ہو یا جاپان، یورپ ہو یا امریکہ،

ہندستان ہو یا افریقہ، نیز اسی طرح نمرود ہو یا فرعون، رُومی ہوں یا آتش پرست، یہودی ہوں یا زرتشتی، انگریز ہوں یا حبشی، مسلمان ہوں یا عیسائی، ہندو ہوں یا پارسی، مُشرک ہوں یا بُت پرست، صحیفۂ تاریخ کا فیصلہ ہر ایک کے لئے اور ہر حال میں ایک اور صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ نظامِ اخلاق کی تباہی یا سیرت وکردار کے بگاڑ کے ساتھ قوموں اور ملکوں کی تباہی یقینی ہے۔ جب پانی سر سے اُونچا ہو جاتا ہے یا جب پاپ کا گھڑا بھر جاتا ہے تو پھر قانونِ الٰہی کی شمشیرِ خارا شگاف بے نیام ہو کر ظالم وسرکش اور بدکردار قوم کا سر قلم کر کے "خلافتِ ارضی" کسی دوسری قوم کے حوالے کر دیتی ہے، جو اس بارِ گراں کو سنبھالنے کی اہل ہو۔ ازل سے یہی قانون چلا آرہا ہے، جس میں کبھی تغیّر نہیں ہُوا۔ مشہور فرنچ محقق ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے:

> "معراجِ کمال تک پہنچنے میں ہر قوم کو ایک طویل زمانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن انحطاط کے تحت الثریٰ تک پہنچنے کے لئے ایک مختصر مدت کافی ہے۔ ہر قوم کے اسبابِ انحطاط میں سب سے زیادہ مؤثر سبب اُس کے نظامِ اخلاق کا انحطاط ہے۔ تمام قوموں میں تمدن کے انحطاط کا صرف ایک ہی طریقہ ہے، جو اب تک قائم ہے۔"
>
> (انقلاب الامم، ص ۱۶۸)

دورِ حاضر کے سب سے بڑے عربی شاعر شوقی مرحوم نے فلسفۂ تاریخ کی اس آفاقی صداقت کا نقش اس طرح کھینچا ہے ؎

وَإِنَّمَا الْأُمَمُ الْأَخْلَاقُ مَا بَقِيَتْ   فَإِنْ هُمُ ذَهَبَتْ أَخْلَاقُهُمْ ذَهَبُوْا

یعنی قوموں کی بقا کا دار ومدار محض اخلاق پر ہے۔ جب کسی قوم سے اُس کے اخلاق رخصت ہو جاتے ہیں تو وہ قوم بھی دنیا سے رخصت ہو جاتی ہے۔ اور حکیم مشرق نے اس حقیقت کو اس طرح بے نقاب کیا ہے ؎

تجھے بتاتا ہوں میں تقدیرِ اُمم کیا ہے   شمشیر وسناں اوّل طاؤس ورباب آخر

قرآن کا فیصلہ

حاصل یہ کہ بد اخلاقی وبدکرداری کے باعث جب کسی قوم کا بُرا وقت آجاتا ہے تو دستِ غیب اس کا تختہ اس طرح اُلٹ دیتا ہے جس طرح ہم اور آپ لباس تبدیل کر لیتے ہیں۔ دُنیا کے اسٹیج پر نہ جانے کتنی قومیں

آئیں، جن کی شان و شوکت، کروفر، رعب و دبدبہ اور شاہانہ جاہ و جلال کا کوئی ٹھکانہ اور کوئی انتہا نہیں تھی۔ لیکن جب وہ تباہ و غارت ہوئیں تو ایسی ہوئیں کہ آج کوئی ان کا نام لینے والا بھی موجود نہیں ہے بجز تاریخی تذکرہ کے۔ اس حقیقت کی ترجمانی قرآنِ کریم میں اس طرح کی گئی ہے:

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ:
اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو نیست و نابود کر دیا ہے، جو ظالم بن چکی تھیں اور ان کے بعد ہم نے دوسری قوم پیدا کی۔ (انبیاء : ۱۱)

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ۔ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ: اور ہم نے یقیناً تم سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے، جب کہ اُنہوں نے ظلم اور ناحق کوشی کا راستہ اختیار کیا، اور رسول اُن کے پاس کُھلے کُھلے دلائل لے کر آچکے تھے۔ مگر وہ ظالم لوگ ایمان لانے کے موڈ میں تھے ہی نہیں۔ ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ (یونس : ۱۳-۱۴)

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ: اور ہم آبادیوں کو اس وقت تک برباد نہیں کرتے جب تک کہ وہ ظالم اور ناحق کوش نہ بن جائیں۔ (قصص : ۵۹)

قوموں کی میعاد

اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ایک ازلی قانون ہے کہ وہ ظالم و سرکش اور مغرور و متکبر قوم کا فوراً مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ اس کو اپنی اصلاحِ حال کا پُورا پُورا موقع اور ڈھیل دیتا ہے۔ تاکہ اگر وہ سُدھرنا چاہے تو سُدھر جائے، اور اس دوران اس کی حُجّت کا سامان بھی پُورا ہو جائے، تاکہ وہ اندھیرے میں نہ رہے۔ لیکن جب اس کے بناؤ اور سُدھار کی ساری اُمیدیں ختم ہو جاتی ہیں، افرادِ قوم مجموعی حیثیت سے اپنی بدچلنی اور بدخوئی سے کسی بھی طرح باز نہیں آتے اور مرض اپنی انتہا کو پہنچ کر لاعلاج ہو جاتا ہے تو پھر قضائے الٰہی اپنے اٹل قانون کو حرکت میں لے آتی ہے۔ کارکنانِ قضا و قدر اس کی قسمت کا فیصلہ کر دیتے ہیں اور اس قوم کو معزول کر کے

کارِ خلافت کسی دوسری قوم کے حوالے کیا جاتا ہے۔ نوشتۂ الٰہی میں ہر قوم کی معزولی اور اُس کی تباہی و بربادی کا ایک وقت مقرر ہے، جس میں کبھی ایک ساعت کی بھی کمی بیشی نہیں ہوتی۔

وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ۔ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ: اور ہم نے جس بستی کو بھی تباہ کیا اُس کے لئے ایک مُعیّن نوشتہ (مقررہ وقت) رکھ دیا تھا (چنانچہ) کوئی قوم نہ اپنے وقتِ معین سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے۔ (حجر: ۴-۵)

مذکورۂ بالا تمام آیاتِ قرآنِ مجید کے ہمہ گیر اُصول اور عالم گیر کلیات کی حیثیت رکھتی ہیں جس میں کسی قوم یا ملک کی تخصیص نہیں ہے اور نہ قدیم و جدید کا کوئی فرق ہے۔ بلکہ ان کا اطلاق یورپ و ایشیا اور افریقہ و امریکہ وغیرہ ہر خطۂ ارض پر یکساں طور پر ہو سکتا ہے۔ ہندستانیوں نے اگر صحیفۂ تاریخ کا یہ سبق فراموش کر دیا تو ان کا انجام بھی بہت بُرا ہوگا۔ لہٰذا اُنہیں ہر حال میں چوکنا اور خبردار رہنا چاہئے۔ کیونکہ خُدا کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔ اور عذابِ الٰہی بالکل دبے پاؤں آتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ۔ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ۔ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ: کیا بستیوں والے نڈر ہو گئے ہیں کہ ہماری جانب سے رات کے وقت اُن پر عذاب آجائے جبکہ وہ سو رہے ہوں؟ یا بستیوں والے اس بات سے نڈر ہو چکے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آجائے جب کہ وہ کھیل کود میں مشغول ہوں؟ کیا وہ اللہ کی اچانک پکڑ سے بے فکر ہو گئے ہیں؟ حالانکہ اللہ کی اچانک پکڑ سے صرف وہی لوگ بے فکر ہو سکتے ہیں جو نقصان اُٹھانے والے ہوں۔

(اعراف : ۹۷-۹۹)

اَسرارِ نبوّتؐ

سائنٹفک نقطۂ نظر سے

تمہید

تاریخِ عالم میں یہ امتیاز صرف آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے کہ جس کثرت سے آپؐ کی حیاتِ مبارکہ پر کتابیں لکھی گئیں، اتنی کسی دوسری شخصیت پر نہیں لکھی گئیں۔ ہر سیرت نگار نے آپؐ کی سیرتِ طیبہ کو اپنے مخصوص نقطۂ نظر سے دیکھا اور کچھ نئے پہلو اجاگر کر دئے اور چند حقائق و معارف کا اضافہ کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ مجید ہی کی طرح سیرتِ طیبہ کے عجائبات کی بھی انتہا نہیں ہے۔ آپؐ کی شخصیت اتنی گوناگوں اور جامع الکمالات رہی ہے کہ کسی بھی فن کا ماہر جب آپؐ کی سیرت پر اپنے علم و فن کی روشنی میں نگاہ ڈالتا ہے تو اس کو ایک نئی دنیا نظر آتی ہے، جو اس کے دامن کو موتیوں سے بھر دیتی ہے اور سلسلہ کہیں ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔

یوں تو سیرتِ طیبہ پر چھوٹی بڑی سیکڑوں کتابیں موجود ہیں، جن میں دن بدن اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ مگر یہ کتابیں تاریخی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں۔ ان کے برعکس زیرِ نظر مقالہ سائنٹفک نقطۂ نظر سے سپردِ قلم کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں قرآنِ حکیم کے بعض اشارات کی روشنی میں منصبِ رسالت کا تعین ایک نئے نقطۂ نظر سے کیا گیا ہے اور صحیفۂ فطرت اور قانونِ شریعت کی مطابقت دکھائی گئی ہے، جو دراصل خلاّقِ عالَم کی حیرت انگیز تخلیق کی تفصیل ہے۔ نیز یہ مقالہ منکرینِ حدیث کے اس پروپگنڈے کا بھی ایک مُسکت و مدلّل جواب ہے کہ "سُنّتِ رسولؐ کی کوئی آئینی حیثیت ہی نہیں ہے اور حدیث، شریعت کا مأخذ نہیں بن سکتی"۔ وغیرہ۔

اس مقالے میں سائنٹفک اور ناقابلِ فراموش حقائق کی روشنی میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ سنّتِ رسولؐ یا حدیثِ شریف، قرآنِ کریم ہی کی تفسیر اور قرآنی "تزکیۂ نفوس" ہی کی تفصیل کے سوا

اَسرارِ نبوّتؐ

سائنٹفک نقطۂ نظر سے

اشتراکیت

ایک قرآنی تمثیل کے رُوپ میں

کمیونزم کی حقیقت و ماہیت ، اُس کے اصل خدوخال اور اُس کے
بھیانک و مکروہ چہرے کی ایک تصویر چند قرآنی انکشافات کی روشنی میں

کچھ بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ موجودہ بگڑے ہوئے معاشرے اور بگڑی ہوئی انسانیت کی اصلاح اگر ہوسکتی ہے تو صرف اُسوۂ رسولؐ یا آپؐ کے پیش کردہ ضابطۂ اخلاق ہی کی بدولت ہوسکتی ہے۔

نیّرِ فلکی

قرآنِ کریم کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری دنیا کے لئے خالقِ عالَم نے دو روشن چراغ مہیا کئے ہیں۔ ایک مادّی۔ اور۔ دوسرا روحانی۔ یعنی ایک "آفتابِ عالم" جو ہماری مادّی کائنات کو روشن کرتا ہے، دوسرا "آفتابِ رسالتؐ" جو ہماری رُوحانی دنیا کو منوّر کرتا ہے۔ ایک سے ہماری تمام دُنیوی ضروریات پوری ہوتی ہیں تو دوسرے سے روحانیت کی آبیاری اور اُس کا نشو و نُما ہوتا ہے۔ اوّل سے حیوانی زندگی برقرار رہتی ہے، تو ثانی سے اخلاق و کردار کی تعمیر و تکمیل ہوتی ہے۔ انسانیت کی بقاء کے لئے یہ دونوں ہی ضروری اور لازمی ہیں اور ان دونوں میں سے کسی ایک کا عدم وجود بھی ہمارے عالَمِ ارض کو تباہ و غارت کردے گا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں ان دونوں کو "سراج" (چراغ) سے تشبیہ دی گئی ہے۔ چنانچہ سورج کے بارے میں ارشاد ہے:

تَبَارَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجاً وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرَاجاً وَّقَمَراً مُّنِیْراً: بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں بہت سے بروج (کہکشائیں) بنادیں اور ان میں (تمہارے لئے) ایک چراغ (سورج) اور ایک روشنی دینے والا چاند بنا دیا۔ (فرقان: ۶۱)

اس آیتِ کریمہ میں "چراغ" سے مراد سورج ہے۔ جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر وضاحت کی گئی ہے:

وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجاً: اور سورج کو اس نے چراغ بنایا۔ (نوح: ۱۶)

نیز ایک اور موقع پر اس بات کی وضاحت بھی فرمادی کہ یہ چراغ بہت زیادہ تابناک اور بھڑکدار بھی ہے:

وَجَعَلْنَا سِرَاجاً وَّهَّاجاً: اور ہم نے ایک بھڑکدار چراغ بنادیا ہے۔ (نبأ: ۱۳)

اسی طرح "آفتابِ رسالت" یعنی پیغمبرِ آخر الزّماں حضورِ پُرنور محمد مُصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی "سراج" سے تشبیہ دی گئی ہے:

یَآیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّراً وَّنَذِیْراً۔ وَّدَاعِیاً اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجاً مُّنِیْراً: اے نبیؐ! ہم نے آپؐ کو (تمام لوگوں کے لئے) نگراں، مُبشّر اور مُتنبّہ کرنے والا بناکر بھیجا ہے۔ نیز اللہ کی طرف اُسی کے حکم سے بلانے والا۔ اور روشن چراغ بنا دیا ہے۔ (احزاب: ۴۵ - ۴۶)

قرآن مجید میں لفظ "سراج" کا تذکرہ ان ہی چار مقامات میں آیا ہے، اور سوائے آفتابِ عالَم اور آفتابِ رسالتؐ کے کسی اور چیز کو سراج سے تشبیہ نہیں دی گئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خصوصیت کے ساتھ ان ہی دو ہستیوں کو سراج سے کیوں موسوم کیا گیا ہے اور اس میں کیا حکمت ہے؟ تو جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ ایک سے اگر ہماری حیوانی زندگی برقرار رہتی ہے، تو دوسرے سے رُوح کی غذا فراہم ہوتی ہے۔ اس وقت ان ہی دو آفتابوں کی کارکردگیوں کا جائزہ لینا اور انسانی زندگی پر ان کے اثرات دکھانا مقصود ہے۔ لہٰذا آیئے! سب سے پہلے سورج کی ضرورت و اہمیت کا سائنسی نقطۂ نظر سے ایک مختصر سا جائزہ لے لیں۔ پھر نبوّت و رسالت کی ضرورت و اہمیت پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔

آفتاب کی روشنی

آفتاب کو سراج (چراغ) اس بنا پر کہا گیا ہے کہ اُس کی حرارت و روشنی ذاتی ہوتی ہے۔ چاند کی طرح مستعار نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں چاند کو کسی مقام پر بھی "سراج" نہیں کہا گیا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ سورج کو ایک دوسرے موقع پر بصراحت "ضیاء" اور چاند کو "نور" قرار دیا گیا ہے:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْراً: وہی ہے جس نے آفتاب کو (انتہائی) روشن بنایا اور چاند کو نُور بخشا۔ (یونس: ۵)

یہاں پر لفظِ "ضیاء" گرامر کی رُو سے مصدر ہے، جو فاعل کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے اور

مبالغہ کا صیغہ بھی ہے۔[1] انتہائی نور کو ضوء اور ضیاء کہتے ہیں[2] اور "نور" وہ بے کیف چمک ہے، جو خود ظاہر ہو اور کسی دوسری چیز کو ظاہر کر دیتی ہو[3]۔ "نور" کا اطلاق نورِ بصیرت پر بھی ہوتا ہے، اور نورِ ابصار پر بھی[4]۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کسی چیز کی مستقل روشنی "ضیاء" کہلاتی ہے۔ اور "نور" مستعار روشنی کو کہا جاتا ہے۔ غرض اس موقع پر سورج اور چاند کی روشنی کے لئے الگ الگ الفاظ لا کر جتا دیا گیا کہ ان دونوں کی کمیت و کیفیت یکساں نہیں ہے۔

سورج کا ٹمپریچر

سائنس دانوں کا اندازہ ہے کہ سورج کی سطح کا درجۂ حرارت چھ ہزار ڈگری ہے، جب کہ اس کے مرکز کا درجۂ حرارت ڈیڑھ تا دو کروڑ ڈگری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کروڑوں میل کی مسافت سے زمین کو گرم اور منور رکھتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ استوائی خطے کی ایک ایکڑ زمین پر ایک دن میں جتنی حرارت پہنچتی ہے، اس کی مقدار اتنی ہے، جتنی چار ٹن کوئلہ جلا کر حاصل کی جا سکتی ہو۔

قرآنِ حکیم میں سورج کو نہ صرف "سراج" کہا گیا ہے، بلکہ اس کو "وھاج" (بہت زیادہ بھڑکدار) بھی قرار دیا گیا ہے، جس سے غالباً اسی بے انتہا حرارت و تپش کی طرف اشارہ ہے۔ بہرحال جدید انکشاف، قرآنی انکشاف ہی کی تشریح اور تفسیر نظر آتا ہے۔ ذرا سوچئے تو سہی چودہ سو سال کے ناخواندہ اور سائنسی اعتبار سے غیر ترقی یافتہ معاشرے کے افراد کو سمجھانے کے لئے وہ آخر اس سے بہتر کون سے الفاظ لا سکتا تھا کہ موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی ان کا مفہوم بدلنے نہ پائے۔

سورج کی کارفرمائی

اگر آپ اس عالمِ رنگ و بو میں جاری و ساری قسم ہا قسم کے حیاتیاتی ہنگاموں کا جائزہ لیجئے

---

[1] تفسیر روح المعانی
[2] تفسیر بیضاوی
[3] تفسیر کبیر
[4] مفردات القرآن

تو آپ کو "زندگی" کی ہر ہر "حرکت" خواہ وہ حیوانی زندگی سے متعلق ہو، یا نباتاتی زندگی سے آفتاب اور اُس کی حرارت و ضوء افشانی ہی کارفرما نظر آئے گی۔ اگر سورج نہ ہوتا تو ہمارا کرۂ ارض ہمیشہ تاریک رہتا۔ اور دنیا کے تمام سائنس دان اپنے کُل وسائل اکٹھا کر کے بھی کسی ایک خطۂ ارض تک کو اس قدر روشن نہ کر سکتے، جس قدر سورج روشن اور منور کرتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ : اُن سے کہو کہ اللہ اگر تمہارے لئے قیامت تک ہمیشہ رات ہی رات کر دے تو کیا تم بتا سکتے ہو کہ اللہ کے سوا ایسا بھی کوئی دوسرا الٰہ موجود ہے، جو تمہارے لئے روشنی لا سکے؟ کیا تم سنتے نہیں؟ (قصص: ۷۱)

پھر اس مسلسل تاریکی کے باعث نہ تو پیڑ پودے ہی نشو و نما پا سکتے اور نہ حیوانات ہی اپنا وجود برقرار رکھ سکتے۔

سُورج کی توانائی

یہ قدرتِ خداوندی کا صرف ایک قطرہ ہے، جو دنیا کے تمام مصنوعی قمقموں پر بھاری ہے۔ یہ آفتاب ہی ہے، جو بنی نوع انسان کو ایک پیسہ خرچ کئے بغیر ہمیشہ بالکل مفت روشنی و حرارت فراہم کر رہا ہے۔ اگر شمسی توانائی کے اخراج کی شرح ظاہر کرنے والا کوئی میٹر یا پیمانہ لگا دیا جاتا — جس طرح کہ ہمارے گھروں اور کارخانوں میں بجلی کے صرفہ کو ظاہر کرنے کے لئے لگایا جاتا ہے — تو شاید نوعِ انسانی کو ہر سال ہر مہینہ نہیں، بلکہ محض ایک دن کی توانائی کا بل BILL ادا کرنے کے لئے ہمارے سارے خزانے خالی ہو جاتے۔

سورج کا نظم و ضبط

کمال یہ ہے کہ سورج اپنی روشنی و حرارت کا اخراج اور شعلہ فشانی انتہائی درجہ منظم و منضبط طریقے سے کر رہا ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ نہ وہ کبھی بیمار ہوتا ہے، اور نہ اُس کو کبھی کسی قسم کی "مرمت" کی ضرورت ہی پیش آتی ہے۔ آپ اپنے روزمرہ کے معمولات اور سورج کے

نظام الاوقات کا جائزہ لیجئے، تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کے مقررہ اوقات میں کچھ نہ کچھ تقدیم و تأخیر یا کوئی نقص و خرابی واقع ہو ہی جاتی ہے۔ مگر اس کے برعکس سورج کی رفتار اور اُس کے طلوع و غروب کے نظام الاوقات میں ایک منٹ بلکہ ایک سکنڈ کی بھی کمی بیشی نہیں ہوتی، حتیٰ کہ اگر آپ کو سورج کا سال بھر کا نظام الاوقات یاد ہو تو آپ سال بھر کے کسی بھی موسم میں اور کسی بھی دن محض اُس کے طلوع و غروب کی بنا، پر اپنی کلائی پر بندھی ہُوئی گھڑی درست کر سکتے ہیں۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى : اور اُس نے آفتاب و ماہتاب کو کام میں لگایا۔ ہر ایک، ایک مقررہ وقت کے مطابق دوڑ رہا ہے۔ (رعد : ۲)

پانی کی کارفرمائی

روشنی اور حرارت کے بعد پانی کے مسئلے کو لیجئے۔ اس موقع پر یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ حیوانی زندگی میں پانی کی کتنی ضرورت و اہمیت ہے۔ پانی قدرت کا اتنا زبردست عطیہ ہے کہ اس کے بغیر نہ تو ہماری پیاس بُجھ سکتی ہے اور نہ ہمارے لئے کسی قسم کی غذا ہی حاصل ہو سکتی ہے، کیونکہ ہر قسم کے پیڑ پودے محض پانی ہی کی بدولت سیراب ہوتے ہیں، جن سے ہمیں غلّہ، پھل، میوے، ساگ پات، ترکاریاں، مسالے، حتیٰ کہ جلانے کی لکڑی، عمارتی لکڑی، فرنیچر، دوائیں، سوتی کپڑے، ربر کا سامان، رسّیاں، چٹائیاں، ٹاٹ، بوریاں، دھاگہ، کاغذ، کتابیں اور مختلف قسم کا سامان سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔ گویا کہ حیوانی زندگی کا پورا دار و مدار نباتات پر منحصر ہے اور نباتات صرف پانی ہی کی بدولت نشوونما پاتے اور زندہ رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح نہانے، دھونے، کھانا پکانے، نماز کے لئے وضو کرنے اور سردی گرمی سے بچاؤ کی خاطر مکانات تعمیر کرنے کے لئے بھی پانی ایک لازمی چیز اور بنیادی عنصر ہے، جس کے بغیر زندگی کے ہنگامے ایک دن کے لئے بھی جاری نہیں رہ سکتے۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ ۔ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۔ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۔ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۔ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۔ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۔ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۔ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۔ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ : پس انسان اپنی غذا کو غور سے دیکھے

(کہ وہ کس طرح مہیا ہو جاتی ہے) حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اُوپر سے ڈھیروں پانی برسایا۔ پھر زمین کو پھاڑ ڈالا۔ پھر ہم نے اس میں (ہر قسم کے) غلّے، انگور، ترکاریاں، زیتون، کھجور، خوب گھنے باغات، طرح طرح کے میوے اور شاداب گھاس پیدا کر دی، تمہارے لئے بھی اور تمہارے مواشی کے لئے بھی۔ (عبس: ۲۴ - ۳۲)

سورج ایک بہشتہ

غرض یہ تمام وسائلِ زندگی اور حیاتیاتی کرشمے پانی ہی کی بدولت ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اور پانی سورج کی بدولت حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ خلاقِ عالم نے پانی کی فراہمی کے لئے ایک عجیب و غریب اور حیرت ناک قسم کا نظام مقرر کیا ہے، جس کی بدولت حیوانات و نباتات کی زندگی برقرار رہتی ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ کنوؤں، تالابوں اور ندی نالوں میں پانی کہاں سے آتا ہے؟ آپ بس اتنا ہی کہیں گے کہ بارش سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ خود بارش کا پانی کہاں سے آتا ہے؟ آپ فوراً بول اُٹھیں گے کہ بادلوں سے۔ پھر کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ یہ کالے کالے بادل کہاں سے اور کیوں کر وجود میں آجاتے ہیں؟ تو آپ کا جواب ہوگا کہ یہ بادل سائنٹفک نقطۂ نظر سے دراصل پانی سے لدے ہُوئے "مشکیزے" ہیں، جن کا منبع سمندر ہے۔

آپ ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لے کر اس کو چولھے پر گرم کیجئے یا دھوپ میں رکھ چھوڑیئے۔ تھوڑی دیر بعد آپ دیکھیں گے کہ برتن خالی اور پانی غائب ہو گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ پانی گیا کہاں؟ تو واقعہ یہ ہے کہ پانی گرمی کی وجہ سے بخارات یا بھاپ بن کر اُوپر اُٹھ جاتا اور بالائی فضاؤں میں پہنچ جاتا ہے۔ قدرت کے اس انوکھے قانون کے مطابق سورج کی حرارت اور شعلہ فشانیوں کی وجہ سے ہر منٹ کھربوں ٹن پانی سمندروں سے بخارات کی شکل میں اُوپر اُٹھتا ہے اور ایک خاص بلندی پر پہنچ کر بادلوں کا رُوپ دھار لیتا ہے۔ یہ بادل فضاؤں میں معلق رہتے ہوئے ہواؤں کے دوش پر سوار ہو کر ملک ملک کی سیر کرتے اور اذنِ الٰہی پا کر مختلف خطّہ ہائے ارض کو جل تھل کر دیتے ہیں۔

یہ ربّ کائنات کی حکمتِ تخلیق کا ایک نرالا اور لاجواب نمونہ ہے کہ اُس نے مخلوقات کی

پرورش کی خاطر پانی کی فراہمی کے لئے سورج کو مامور کیا' جو نہ صرف ہمیں روشنی اور حرارت فراہم کرتا ہے بلکہ ہمارے لئے سمندروں سے پانی بھی ٹرانسپورٹ کرتا رہتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ ہمارے لئے ایک بہت بڑا "بہشتہ" بھی ہے۔

قرآنی انکشاف

حسبِ ذیل آیتِ کریمہ میں ربوبیت کے اس سرِّ نہاں پر سے پردہ اٹھا دیا گیا ہے کہ بارش کا پانی دراصل سمندروں ہی سے آتا ہے:

أَفَرَءَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ۔ ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ ۔ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ : ہاں ذرا بتاؤ تو سہی کہ وہ پانی جس کو تم پیتے ہو، کیا اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں؟ اگر ہم چاہتے تو اس کو کڑوا کر دیتے، پھر تم شکریہ کیوں نہیں ادا کرتے؟ (واقعہ: ۶۸-۷۰)

اس میں بڑا لطیف اشارہ ہے کہ بارش کا پانی درحقیقت سمندروں ہی سے آتا ہے۔ کیونکہ لفظ "اُجاج" کے معنی کڑوے یا کھاری کے ہیں، جو سمندری پانی کی طرف صاف اشارہ۔ پھر یہاں پر شکرگزاری پر جو ابھارا گیا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اگر رب العالمین مذکورۂ بالا عجیب و غریب اور حکیمانہ طریقے پر سمندری پانی کی نمکینی زائل نہ کر دیتا، تو پھر صفحۂ گیتی پر کوئی بھی حیوان یا نبات زندہ نہ رہ سکتا، بلکہ سب کے سب نمک بن جاتے، اور پوری زمین نمک سے بھر جاتی، کیونکہ کرۂ ارض کا تقریباً ستر فیصد حصہ سمندروں ہی پر مشتمل ہے اور صرف تیس فیصد حصہ خشکی پر۔ دنیا کے سمندروں میں اس قدر نمک پایا جاتا ہے کہ اگر اس کو نکال کر خشکی کے تمام براعظموں پر پھیلا دیا جائے تو ہر جگہ اور ہر مقام پر پانچ سو فٹ موٹی تہہ بن جائے، گویا کہ پورے کرۂ ارض پر ایک دبیز قسم کی نمک کی چادر چڑھا دی گئی ہو، جس میں تمام چیزیں اور سارے حیوانات و نباتات نمک بن کر رہ جاتے۔

پس حکیم مطلق کا یہ کتنا بڑا احسان اور اُس کی رحمانیت کا کتنا بڑا اظہار ہے کہ اس قسم کی ہلاکت آفرینیوں سے ہم کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ محض اظہارِ ربوبیت اور مخلوق پروری کی خاطر سمندروں سے

ایک حیرت انگیز طریقے سے نہایت درجہ شیریں اور حیات آفریں پانی بھی مہیا کر دیا، جس سے تمام حیوانات و نباتات سیراب ہوتے اور باغ و بہار کے مزے لوٹتے ہیں، غالباً یہ ہے "فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ" (پس تم شکریہ کیوں نہیں ادا کرتے) کا صحیح مفہوم اور اس کا صحیح موقع و محل۔

سورج ایک باورچی

روشنی، حرارت اور پانی کے بعد اہمیت کے لحاظ سے غذا کا نمبر آتا ہے اور سائنسی تحقیقات سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو چکی ہے کہ تمام پیڑ پودے صرف دن کے وقت اور سورج کی روشنی ہی میں "غذا" تیار کرتے ہیں۔ سائنٹفک نقطۂ نظر سے کسی بھی درخت کی پتیوں میں نہایت درجہ ننھے ننھے ہرے رنگ (کلوروفل) کے خوردبینی ذرات ہوتے ہیں، جن کو سائنسی اصطلاح میں کلوروپلاسٹ CHLOROPLAST کہا جاتا ہے۔ ان ہی ذرات کی بدولت پتیاں ہری دکھائی دیتی ہیں۔ یہی وہ حیرت انگیز ذرات ہیں، جو سورج کی کرنوں کے تعامل سے پانی اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو آمیزہ کر کے شکر و نشاستہ CARBO HYORATES میں تبدیل کر دیتے ہیں جو نہ صرف پودوں کی بلکہ تمام حیوانات کی بھی بنیادی غذا ہے۔ اور ہمارے جسم میں گرمی و حرارت اسی سے پیدا ہوتی ہے۔

یہاں پر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ غلّوں، پھلوں، دالوں اور مختلف قسم کے میوہ جات کا اکثر حصہ کاربوہائیڈریٹ ہی پر مشتمل ہوتا ہے، جو صرف سورج کی روشنی ہی میں پیدا ہوتا اور پروان چڑھتا ہے۔ سورج کے اس تعامل کو سائنس کی اصطلاح میں "شعاعی ترکیب" یا PHOTO SYNTHESES کہتے ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ : اور اُس نے آفتاب و ماہتاب کو کام پر لگایا (جو تمہارے لئے مختلف قسم کی خدمتیں انجام دیتے ہیں) ان میں سے ہر ایک، ایک بالکل مقررہ وقت کے مطابق دوڑ رہا ہے۔ وہ (اللہ تمہارے تکوینی و تشریعی تمام) معاملات کی تدبیر کر رہا ہے اور اپنے نشانات و دلائل (ربوبیت) کھول کھول کر بیان کر رہا ہے۔ تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔ (رعد: ۲)

اسباب اور مُسبّب الاسباب

اس آیتِ کریمہ میں یہ حقیقت بھی پوری طرح واضح کر دی گئی ہے کہ اس کارخانۂ عالم میں اگرچہ علت و معلول کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے، اور مظاہرِ فطرت میں مختلف خواص و طبائع رکھے گئے ہیں، مگر یہ سب مستقل بالذات ہستیاں نہیں ہیں۔ بلکہ ان تمام کی باگ اور اصل زمامِ کار مدبّرِ کائنات کے دستِ قدرت میں ہے۔ جیسا کہ تنبیہاً فرما دیا۔ "یُدَبِّرُ الْاَمْرَ" یعنی تمام معاملات کی تدبیر اصل میں وہی کر رہا ہے۔ اس لحاظ سے یہ ظاہری اسباب و علل بے جان پتلیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، جن کے پسِ پردہ ایک عالی ہستی کی کارفرمائی جلوہ گر ہے۔ لہٰذا نوعِ انسانی کو ظاہری اسباب و علل میں اُلجھ کر شرک اور مظاہر پرستی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ کارخانۂ فطرت حقیقتاً ایک منظم پیمانے پر عبرت و بصیرت حاصل کرنے اور فکر و نظر میں جلا پیدا کرنے کی غرض سے تخلیق کیا گیا ہے، تاکہ ان اسباب و علل کے پسِ پردہ ایک شاہدِ حقیقی کے وجود کا سُراغ لگایا جا سکے، جس کے تابناک جلوؤں سے صفحۂ کائنات کے تمام اوراق روشن و منور ہیں۔

آفتاب ہر فن مولا

غرض یہ چند بڑے بڑے فوائد ہیں جو ہم کو اس نیّرِ آسمانی سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی بیماریوں سے نجات ملتی ہے۔ اگر سورج نہ ہوتا تو پھر بیماریاں پھیلانے والے جراثیم کا دور دورہ ہوتا جو کُرۂ ارض کو پوری طرح تباہ کر کے رکھ دیتے؛ کیوں کہ ان جراثیم کی شرحِ پیدائش نہایت درجہ سریع اور حیرت انگیز ہے۔ مگر سورج کی روشنی ان مضر جراثیم کو نابود کر دیتی اور ان کی تعداد کو بہت بڑی حد تک کم اور محدود کر دیتی ہے۔ اسی طرح آفتاب کی تمازت سے مختلف قسم کی نمی اور رطوبت بھی دُور ہو جاتی ہے، جو بیماریاں پھیلانے کا باعث ہوتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آفتاب اور اس کے نظام میں بیش بہا حکمتیں اور مصلحتیں مضمر ہیں، جن کے ملاحظہ اور مطالعہ سے نقاشِ فطرت کی بے مثال کاریگری کی داد دینی پڑتی ہے کہ اُس نے اپنے کمالِ قدرت اور حد درجہ حکمت سے کس قدر حیرت ناک نظام مقرر کر دیا ہے۔! فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

آفتابِ رسالتؐ

صفاتِ نبویؐ

یہ تھا آفتابِ عالم اور چراغِ فلک کی حقیقت و ماہیت اور اُس کی کارکردگیوں کا ایک مختصر سا جائزہ اور داستانِ بصیرت۔

اب "آفتابِ رسالتؐ" اور اُس کی ماہیت و کارکردگی کا بھی ایک جائزہ لے لیجئے۔ اس سے پتہ چلے گا کہ جس طرح چراغِ فلک سے ہماری مادّی زندگی کی تمام ضروریات پوری ہوتی ہیں، اسی طرح "چراغِ رسالتؐ" سے ہماری رُوحانی زندگی کی جملہ حاجتیں بھی پوری، اور اُس کے نقش و نگار سے آراستہ ہو جاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب خُدا نے بنی نوعِ انسان کی مادّی زندگی کا اس قدر خیال رکھا ہو اور بغیر کسی رکاوٹ کے ان کی تمام ضروریات پوری کرتا چلا جا رہا ہو، تو ایسا شفیق و مہربان خُدا، انسان کے روحانی سُدھار اور اس کے اخلاق و کردار کی تعمیر و تہذیب سے غافل کیسے رہ سکتا ہے!

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ : کیا ہم تُمہاری سبق آوری سے اس لئے رک جائیں کہ تم حد سے گزر جانے والے بن جاؤ۔ (زخرف : ۵)

بہرحال حسبِ ذیل دو آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند صفات بیان کی گئی ہیں، جن سے مقاصدِ رسالت پر روشنی پڑ جاتی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۔ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا : اے نبیؐ! ہم نے آپؐ کو (تمام لوگوں کے لئے) شاہد، مبشّر اور متنبّہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ نیز (اُس نے آپؐ کو) اللہ کی طرف بلانے والا ــ اُسی کے حکم سے ــ اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ (احزاب : ۴۵-۴۶)

اس آیتِ کریمہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ صفات سے مُتصف کیا گیا ہے :
۱ شاہد ۲ مُبشّر ۳ نذیر ۴ داعی الی اللہ ۔ اور ۔ ۵ سراجِ مُنیر یعنی روشن چراغ ۔

اس موقع پر پیمبرِ آخرالزماں کی جو جامع صفات بیان کی گئی ہیں، قرآن مجید کے کسی دوسرے مقام پر اس قدر جامع انداز میں مذکور نہیں ہیں ۔ صفاتِ نبویؐ کے اس لحاظ سے منکرینِ حدیث کا یہ خیال باطل ہو جاتا ہے کہ رسولؐ کی حیثیت محض نامہ بر یا قاصد کی سی ہوتی ہے — اور ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک داعی بھی ہوتا ہے، اور متنبّہ کرنے والا بھی، شاہد بھی ہوتا ہے اور نگرانِ کار بھی، جس کا اُسوہ (نمونۂ زندگی) سب کے لئے قابلِ عمل اور جس کی اطاعت واجب التعمیل ہوتی ہے ۔ اسی لئے اس کو "سراجِ منیر" کہا گیا ہے ۔ رسولؐ کا اصل منصب کیا ہے، اس پر ذیل کی آیت بخوبی روشنی ڈالتی ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ؕ[1] وہی تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں ان ہی کی قوم سے ایک پیغمبر مبعوث کیا، جو ان کو خُدا کے احکام پڑھ کر سُناتا ہے ۔ ان کو پاک و صاف کرتا ہے، اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۔ (جمعہ : ۲)

۱ تلاوتِ آیات ۲ تزکیۂ نفوس ۳ تعلیمِ کتاب ۴ اور تعلیمِ حکمت ۔ اگر آپ غور فرمائیں گے تو یہ چار اُمور بھی اُوپر گنائی گئی پانچ صفات ہی کے دائرے میں گھومتے نظر آئیں گے ۔ صرف اسلوب اور تعبیر کا فرق نظر آئے گا ۔ اس حیثیت سے یہ دونوں مقامات ایک دوسرے کی بہترین تشریح و تفسیر کرتے نظر آرہے ہیں ۔

منصبِ رسالت

اگر منصبِ رسالت صرف نامہ بری ہی کی حد تک رہتا تو پھر "تلاوتِ آیات" ہی کافی تھا، تزکیۂ نفوس اور کتاب و حکمت کی تعلیم کی ضرورت ہی نہیں تھی ۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک فکری و رُوحانی

[1] اس آیتِ کریمہ میں منصبِ رسالت کو چار اُمور میں محصور کیا گیا ہے ۔

انقلاب برپا کرنے یا رُوحانیت کی نشوونما اور اس کی آبیاری کے لئے لوگوں کی صحیح پیمانے پر تربیت یا ٹریننگ بھی ضروری ہے ۔ محض وعظوں اور لکچروں سے دنیا کی کایا پلٹ نہ کبھی ہوسکی ہے، اور نہ کبھی ہوسکتی ہے ۔ اسی لئے "تزکیۂ نفوس" اہدافِ رسالت کا ایک اہم ترین ہدف و نشانہ قرار دیا گیا ہے ۔ یعنے رسولؐ کا اصل منصب یہ ہے کہ وہ اپنی نگرانی میں اپنے پیروؤں کی صحیح تربیت کرے، اور ان کے دلوں سے دُنیا کی گندگیوں کو نکال کر اُنہیں کارزارِ حیات میں ایک انسان کی طرح رہنا سکھائے ۔ ان کی سیرتوں کے نقوش کو سنوارے ۔ انھیں نظامِ عدل کا پابند بنائے ۔ اور ایک ایسی جماعت تیار کرے، جو دوسروں کی بھی اصلاح و تربیت انہی خطوط پر کرسکے ۔

لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا :
تاکہ تم نوعِ انسانی پر شاہد بن سکو اور رسولؐ تم پر شاہد رہے ۔ (بقرہ : ۱۴۳)

یہاں پر "شہادت" میں در اصل بہت وسیع مفہوم پایا جاتا ہے، جس میں یہ مفہوم بھی داخل ہوسکتا ہے ۔ اسی بناء پر سورۂ احزاب میں رسولؐ کو "شاہد" (نگران) قرار دیا گیا ہے، جو رسالت کا ایک نمایاں ترین وصف ہے، اور اسی بنا پر اس کو "روشن چراغ" بھی کہا گیا ہے ۔ یعنی جس کی روشنی سے پوری رُوحانی کائنات منوّر اور بقعۂ نور بن جائے اور انسانیت کی تمام اخلاقی بیماریاں دُور ہو جائیں، جس طرح کہ آفتاب سے انسان کی تمام مادّی ضروریات پوری ہو جاتی ہیں ۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصدِ عظیم محض "نامہ بری" سے حاصل نہیں ہوسکتا تھا، بلکہ اس کے لئے تربیت و نگرانی بھی ضروری تھی ۔

تزکیۂ نفوس کا صحیح مفہوم ہے ایک مقررہ "ٹریننگ کورس" یعنی "تلاوتِ کتاب" یا کتابی نظریات و تعلیمات کو عملی دُنیا میں برتنا سکھانا اور پوری زندگی کو ربّانی منشا و مقصد کے مطابق اسلامی سانچے میں ڈھلنے کی پریکٹس کرانا، جو فکرِ آخرت کی بنیاد پر ہو ۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک نفوس کا تزکیہ نہ ہوگا یا صحیح پیمانے پر ان کی رُوحانی تربیت نہ ہوگی، انسانی دل و دماغ صحیح خُدا پرستانہ جذبات سے معمور نہ ہوسکیں گے، عملِ صالح پیدا نہ ہوسکے گا اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں انسانی اعمال کی تطہیر ممکن نہ ہو سکے گی ۔ ظاہر ہے کہ جس معاشرہ میں تقویٰ، للّٰہیت اور اخلاص کا فقدان ہوگا وہ کبھی پنپ نہیں سکے گا ۔

اس میں تہذیب و شائستگی کے برگ و بار نہیں آسکیں گے۔ بُرائیوں اور خود غرضیوں کا خاتمہ نہ ہو سکے گا۔ انسانیت کی سطح بلند نہ ہوسکے گی۔ حیوانیت و انانیت پر قابو نہیں پایا جاسکے گا۔ نفسانی خواہشات اور ہوس رانیوں کا استیصال نہیں ہوسکے گا۔ ملکوتی صفات پیدا نہ ہوسکیں گے اور کردار و کیرکٹر درست نہیں ہوسکے گا۔ غرض تزکیۂ نفوس کے بغیر ایک صالح، پاکیزہ اور مخلص و متوازن معاشرہ کی تشکیل ممکن نہیں ہوسکے گی۔ اور انسان صحیح معنی میں کبھی انسان نہیں بن سکے گا۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص کسی اُستاد اور رہبر کی مدد کے بغیر محض کتابیں پڑھ کر ایک ماہر ڈاکٹر، جرّاح اور انجنیر وغیرہ نہیں بن سکتا۔ "تعلیمِ کتاب" سے دراصل ایک فکری و نظریاتی انقلاب برپا ہوتا ہے، تو "تزکیۂ نفوس" سے زندگیوں میں ایک عملی و روحانی انقلاب آجاتا ہے۔ ایک سے اگر فکر و نظر کی اصلاح ہوتی ہے تو دوسرے سے عمل و کردار کی تعمیر ہوتی ہے۔ پہلی چیز دل و دماغ کی صفائی کرتی ہے ـــ تو دوسری چیز معاشرے کی تطہیر کرتی ہے۔ غرض تزکیۂ نفوس ہی سے تقویٰ اور طہارت کی کلیاں چٹکتی ہیں اور اخلاص و للّٰہیت کے برگ و بار نمودار ہوتے ہیں، جن سے انسانیت کی تعمیرِ نو ہوتی ہے

اسلامی تصوّف

اسلام میں تصوّف کی اصل غرض وغایت دراصل نفوس کا تزکیہ کرنا (صیقل کرنا) اور انانیت کو کچل کر خوف و خشیّتِ الٰہی کے جذبات اُبھارنا ہے، اس طرح کہ ایک انسان اپنی چوبیس گھنٹوں والی زندگی میں خُدا کے حاضر و ناظر ہونے کے عقیدے کو ـ جس کو وہ "تعلیمِ کتاب" سے حاصل کرچکا ہوتا ہے ـ مستحضر رکھتے ہوئے مصروفِ عمل ہوجائے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے :

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ ، فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ : تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو، گویا تُم اُس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اُس کو دیکھ نہ سکو تو (کم از کم اتنا تو ضرور تصوّر کرو کہ) وہ تم کو ضرور دیکھ رہا ہے۔ (مسلم شریف)

یہاں پر عبادت سے مُراد محض نماز، روزہ ہی نہیں، بلکہ عبدیت کے تمام مظاہر و مراسم بھی ہیں۔ یعنی ہر کام اور ہر فعل، خواہ وہ نماز روزے سے تعلق رکھتا ہو یا ہماری معاشرتی و کاروباری زندگی سے۔

انفرادی معاملات سے تعلق رکھتا ہو یا اجتماعی اُمور سے۔ قومی زندگی سے متعلق ہو یا بین الاقوامی روابط سے۔ وہ ہر حال میں خُدا کو حاضر و ناظر گردانتے ہوئے اُس کی مرضی و منشا کے مطابق ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ یہ عظیم الشان مقصد، بغیر کسی عملی تربیت کے محض وعظوں اور لکچروں سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور یہ اعلیٰ اوصاف و صفات بغیر کسی تربیتی کورس کے محض چند کتابوں کو رٹ لینے سے پیدا نہیں ہوسکتے۔ بقولِ علّامہ اقبال ؎

یہ عقل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار — شریکِ شورشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
خرد نے کہہ بھی دیا "لاالٰہ" تو کیا حاصل — دل و نگاہ مُسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

نماز کا صحیح مقام

لہٰذا دنیا کی اصلاح اور معاشرے سے اخلاقی و رُوحانی خرابیوں کے استیصال کے لئے نہ صرف ایک تربیتی کورس ضروری ہے، بلکہ ایک مثالی کردار اور آئیڈیل نمونے کی بھی ضرورت ہے، تاکہ تمام لوگ اس مثالی کردار کو پیش نظر رکھ کر اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرسکیں۔ لہٰذا پیغمبرِ آخر الزماںؐ کو ایک مثالی و مرکزی کردار بنا کر پُوری "اُمّتِ دعوت[1]" اور "اُمّتِ اجابت[2]" کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ مثالی کردار آج ہمارے سامنے "سُنّتِ نبویؐ" کی شکل میں موجود و محفوظ ہے، جو "اُسوۂ رسولؐ" بھی کہلاتا ہے۔

اب رہا تربیتی کورس، تو اُس کی بہترین شکل اسلامی نماز ہے، جس کے ذریعہ روزانہ پانچ پانچ مرتبہ بارگاہِ ایزدی میں حاضر ہوکر "تجدیدِ عہد" کیا جاتا ہے۔ یعنی بندہ ہر دن پانچ مرتبہ بارگاہِ احدیت میں حاضر ہوکر نہ صرف اپنی عبدیت کا اعلان کرتا ہے، بلکہ کارزارِ حیات میں خُدا کے وجود کو فراموش نہ کرنے، ہمیشہ اور ہر حال میں اُس کو حاضر و ناظر گردانے اور اُس کے احکام سے سرتابی نہ کرنے کا اقرار و اعتراف بھی کرتا رہتا ہے۔ یہ طریقہ نفسیاتی اعتبار سے فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔ ورنہ انسان کے

[1] اس سے مراد قیامت تک کے تمام لوگ اور پوری نوعِ انسانی ہے۔
[2] اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو آپؐ کی رسالت پر ایمان لے آئے۔

"باغیانہ جذبات" پر قابو پانا اور اُس کو لہو و لعب میں پڑنے سے بچانا ممکن نہ ہوتا۔

ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے "کاروبارِ حیات" کے دوران روزانہ کم از کم پانچ پانچ مرتبہ اپنے مالک و آقا اور ربّ کریم کے حضور میں حاضری دے رہا ہو، جس کے متعلق خود اس کا یہ عقیدہ ہو کہ وہ تمام کُھلے اور چھپے کا جاننے والا بلکہ دلوں تک کے اسرار سے واقف ہے، وہ بھلا اُس کے احکامات و مرضیات سے سرتابی کیسے کرسکتا ہے؟ زندگی کے ہنگاموں میں اُس کو فراموش کیسے کرسکتا ہے؟ اور اس سے بغاوت کا رویّہ اختیار کیسے کرسکتا ہے؟

نماز میں دراصل جذبۂ عبودیت کے اظہار کے علاوہ احتسابِ اعمال کی بھی پوری پوری صلاحیت و استعداد موجود ہے، جس کی بدولت نہ صرف نفس کی تہذیب ہوتی ہے، بلکہ انسانی معاشرے میں نسیمِ بہار کے جاں فزا جھونکے بھی چلنے لگتے ہیں، جن سے طبیعت کو فرحت و تازگی حاصل ہوتی ہے، بشرطیکہ نماز کو نماز سمجھ کر اُس کے پورے آداب اور لوازم و شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے، جس کو قرآنِ حکیم کی اصطلاح میں "اقامتِ صلوٰۃ" کہا گیا ہے۔

بہرحال جب تمام بندوں کا حال ایسا ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس معاشرے کی کایا پلٹ جائے گی۔ جس میں نہ تو کوئی دوسرے پر ظلم و زیادتی کرسکتا ہے اور نہ کسی کا حق مار سکتا ہے، نہ کوئی بُرائی کرسکتا ہے اور نہ اس کے قدم کسی بداخلاقی و بدکاری کی جانب اُٹھ سکتے ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے:

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ : نماز یقیناً بُرائیوں اور بدکاریوں سے روکتی ہے۔ (عنکبوت : ۴۵)

تصوّف کیا ہے؟

اس لحاظ سے نماز "تزکیۂ نفوس" اور تہذیبِ اخلاق کی ایک آسان شکل اور ہر ایک کے لئے ایک قابلِ عمل نسخہ ہے۔ مگر اس تزکیہ کی انتہائی شکل تصوّف کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اس سے دراصل تقویٰ و طہارت اور خوف و خشیتِ الٰہی کا "ٹمپریچر" بڑھ جاتا ہے۔

واضح رہے کہ تصوّف شریعت سے ہٹ کر کوئی چیز نہیں، بلکہ اس سے حقیقتاً شریعت ہی کی تکمیل

مقصود ہے۔ وہ شریعت کی ضد اور اُس سے متصادم نہیں بلکہ اُس کا خادم اور مُتمّم ہے۔ تصوّف حقیقتاً نام ہے "تزکیۂ نفوس" کا۔ اور جو چیز شریعت کے خلاف اور اس کی ضد ہو، وہ تصوّف نہیں، بلکہ دراصل ضلالت و گمراہی ہے۔

تصوّف کی اصلیت بس اتنی ہی ہے کہ انسان کی تربیت و اصلاح اور اُس کے اخلاق کی تہذیب ہو جائے۔ اُس کی زندگی سے ہمہ قسم کی بُرائیاں دُور ہو جائیں اور وہ خُدا کو ہمیشہ اور ہر مقام پر حاضر و ناظر گردانتے ہُوئے شرعی احکامات سے عدول و نافرمانی کرنے سے باز آجائے۔ ع

در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق

تصوّف کا منتہائے مقصود سوزِ جگر کو جِلاء دینا اور "عشق" کی آگ کو بھڑکانا ہے۔ جس کی بدولت ہنگامہائے وجود میں حُسنِ اخلاق کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ محبّت و مروّت اور امن و امان کے شگوفے نمودار ہوتے ہیں۔ بقولِ اقبال ؎

عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات — عشق سے نُورِ حیات، عشق سے نارِ حیات

سُنّتِ رسول ؐ

اب رہا مثالی کردار اور ایک آئیڈیل نمونہ، تو وہ "اُسوۂ رسول ؐ" ہے، جو آج ہمارے سامنے "سُنّتِ نبویؐ" کی شکل میں موجود و محفوظ ہے۔ "سنّتِ نبویؐ" کی صحیح تعریف یہ ہے: "وہ اقوال و افعال یا وہ عملی طریقے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 'تزکیۂ نفوس' کی خاطر اور 'تعلیمِ کتاب' کی تشریح و توجیہہ کے لئے اختیار کئے"۔ اسی کا دوسرا نام "حکمت" ہے۔ یہ ہے "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ[۲]" کا صحیح مفہوم۔

غرض یہ کہ رسول محض ڈاکیہ اور چٹھی رساں ہی نہیں ہوتا، بلکہ وہ پوری دنیا کی تعلیم و تربیت

---

[۲] پوری آیت شروع میں گزر چکی ہے، جو یہ ہے: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ : وہی تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہی کی قوم سے ایک پیغمبر مبعوث کیا، جو اُن کو خُدا کے احکام پڑھ کر سناتا ہے۔ ان کو پاک و صاف کرتا ہے اور اُن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (جمعہ : ۲)

اور اُس کی اصلاحِ حال کے لئے مبعوث کیا جاتا ہے۔ وہ جس طرح لوگوں کے عقائد کی اصلاح کرتا ہے، اسی طرح وہ ان کو مراسمِ عبودیت بھی سکھاتا ہے۔ اُن کے آپس کے قضیے بھی چکاتا ہے اور ان کے باہمی مناقشات و نزاعی امور کے درمیان فیصلے بھی کرتا ہے۔ وہ نہ صرف احکامِ خداوندی بندوں تک پہنچاتا ہے، بلکہ اُن کے نشیب و فراز بھی سمجھاتا ہے۔ وہ نہ صرف آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرتا اور اُن کی تعلیم دیتا ہے، بلکہ اُن کے معانی و مطالب اور ان کے غموض و اسرار سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ پھر خود اپنے عمل و کردار سے ان تمام اُمور کی مزید وضاحت اور ربّانی منشاء و مقصد کا ٹھیک ٹھیک تعین بھی کرتا ہے، تاکہ لوگوں کو کسی بھی معاملے میں کسی بھی قسم کا شبہ یا اشتباہ نہ رہ جائے۔ اور تمام لوگ محض اس کے عمل اور نقوش ہی کو دیکھ کر ربّانی منشاء و مقصد کو سمجھ لیں اور اُس کے مُطابق اپنی زندگیوں کو ڈھال لیں۔ کیونکہ ایسی نصیحت جو بلا عمل اور ایسا لیکچر جو بلا کردار ہو اسلام کی نظروں میں انتہائی مبغوض اور سخت ناپسندیدہ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ : اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو خود کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ بڑی قبیح حرکت ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود کرو نہیں۔ (صف: ۲-۳)

یہ بالکل ایک فطری، منطقی اور واقعاتی حقیقت ہے کہ لوگ اُس شخص کی باتوں کو کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے جو محض گفتار کا غازی اور کردار سے تہی دامن ہو اور جس کے اقوال و افعال میں کھُلا ہُوا تضاد موجود ہو۔ ظاہر ہے کہ جب عام مؤمنین کا قولی و عملی تضاد قابلِ مذمت ہے، تو پھر ایک نبی و رسول اور رہبرِ اُمت کا تضاد قابلِ مذمت کیوں نہ ہوتا! اس لحاظ سے دیکھا جائے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآنِ کریم ہی کی عملی تفسیر رہی ہوگی، یعنی جو جو احکام و اَوامر آپؐ کے ذریعہ قرآن میں دیئے گئے ہیں، اُن پر خود آپؐ اوّلین طور پر عامل رہے ہوں گے۔ ورنہ پھر اوّل تو خود آپؐ کے پیش کردہ کلام کی مخالفت لازم آتی۔ اور دوسری حیثیت سے آپؐ کے پند و نصائح بے وزن اور بے تاثیر ہو جاتے۔ حالاں کہ یہ ایک ناقابلِ فراموش تاریخی حقیقت ہے کہ آپؐ نے ایک ایسا کامیاب اور ہمہ گیر انقلاب برپا کر دیا، جس کی مثال پیش کرنے سے پوری انسانی تاریخ عاجز ہے۔ کیا ایسا لاثانی اور حیرت انگیز انقلاب بغیر کسی عمل و کردار کے

محض چکنی چپڑی اور لچھے دار باتوں یا خشک لکچروں کے ذریعہ برپا ہو سکتا تھا؟ حالاں کہ نہ صرف تاریخی اعتبار سے بلکہ خود قرآنِ حکیم سے بھی ثابت ہے کہ آپ کردار و کیرکٹر کے لحاظ سے ایک بلند و اعلیٰ اور عظیم شخصیت کے مالک تھے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ : بلاشبہ آپؐ اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔ (قلم: ۴)

آپؐ کا یہی وہ بلند و اعلیٰ کردار اور حُسنِ اخلاق ہے، جس کی اتباع و پیروی کی ایک دوسرے موقع پر تاکید کی گئی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ : کہہ دو کہ اے مسلمانو! اگر تم کو اللہ سے محبّت کا دعویٰ ہو تو میری اتباع کرو۔ اس کے عوض اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور رحمدل ہے۔ (آل عمران: ۳۱)

آپ کا یہی وہ کردار و کیرکٹر ہے، جو آپؐ کا اُسوہ یا سُنّتِ رسولؐ بھی کہلاتا ہے۔ اور یہ اُسوہ یا سُنّت کوئی وقتی و عارضی چیز نہیں تھی، بلکہ اُس کی حیثیت دائمی و ابدی ہے۔ جو رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لئے روشنی کا منارہ اور انسانیت کا قابلِ فخر معیار رہے گی۔ چنانچہ ایک حدیث میں آپ نے اپنی بعثت و رسالت کا مقصدِ وحید اخلاق و کردار کی تکمیل ہی قرار دیا ہے:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ : مَیں تو اخلاقِ کریمانہ کی تکمیل ہی کے لئے بھیجا گیا ہُوں۔

چراغِ فلک اور چراغِ رسالت

دو روشن چراغ

غرض اللہ تعالیٰ نے جس طرح عالمِ انسانی کی مادّی و جسمانی ضروریات کی تکمیل کے لئے فطرت کا ایک ضابطہ بنایا اور آفتابِ عالمتاب کو اس ضابطہ کے مطابق عمل پیرائی کے لئے مسخر کیا اور کام میں لگایا، اسی طرح انسان کی اخلاقی و روحانی احتیاجات کو پُورا کرنے کی غرض سے شریعت کا بھی ایک نظام بنایا اور ایک قانون نافذ کیا۔ اور پیغمبروں کو دنیا کی اصلاح اور رشد و ہدایت کے لئے مبعوث کیا تاکہ فطرت و شریعت کے نظاموں میں توافق و ہم آہنگی برقرار رہے، اور ترازو کے دونوں پلڑے سیدھے رہیں۔

جس طرح ہمارے آفتاب کی پوری زندگی مختلف تکوینی NATURAL ضوابط کی پابند ہوتی ہے، جس سے وہ کبھی ایک سرِمو برابر بھی تجاوز نہیں کرتا ۔ اسی طرح انبیائے کرام کی پوری زندگی بھی تشریعی ضوابط یا احکامِ خداوندی کی پابند ہوتی ہے، جس سے وہ ارادتاً کبھی ایک تنکے برابر بھی عدول نہیں کرتے، گویا کہ سورج کی کرنوں سے اگر پُورا خاکدانِ عالم روشن و منوّر ہوتا ہے، تو انبیائے کرامؑ کی حیات آفریں شعاعوں سے دُنیائے انسانیت کے قلوب و اذہان صیقل ہو جاتے ہیں۔ دلوں سے زنگ اور کھوٹ دُور ہو جاتا ہے۔ اس کے انگ انگ سے اُمید و یقین کے چشمے پُھوٹنے لگتے ہیں اور مایوس ناکام اور دُکھی انسانوں کو آبِ حیوان اور حیاتِ جاودانی مل جاتی ہے۔

اس لحاظ سے انبیائے کرامؑ کی پاکیزہ سیرت اور ان کا مثالی کردار رہتی دنیا تک پوری نوعِ انسانی کے لئے روشنی کا عظیم ولافانی منارہ رہے گا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ : ہم نے اپنے رسولوں کو یقیناً کُھلے کُھلے دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اُتار دئیے ہیں، تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں۔ (حدید : ۲۵)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ : تمہارے لئے اللہ کے رسول میں (اُن کی سیرت میں) ایک بہترین نمونۂ عمل موجود ہے۔

دونوں میں مشابہت

خلاصۂ بحث یہ کہ "آفتابِ عالم" اور "آفتابِ رسالت" میں حسبِ ذیل حیثیتوں سے مشابہت و مناسبت پائی جاتی ہے:

۱۔ جس طرح آفتاب اپنے تابع سیاروں کو روشن و منور کرتا ہے، اسی طرح آفتابِ رسالت بھی پوری رُوحانی کائنات کو جگمگاتا ہے۔

۲۔ جس طرح نیّرِ فلکی ایک لگے بندھے دستور العمل اور کامل نظم و ضبط کا مظاہرہ کرتا ہے، جس میں کبھی ردّ و بدل نہیں ہوتا، اسی طرح رسول کی پوری زندگی بھی خُدائی قوانین و ضوابط کی پابند ہوتی ہے۔ اسی بنا پر انبیائے کرام کی سیرتوں کو اُوپر کی آیتوں میں "میزان" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۳۔ شمسی روشنی اور حرارت اُس کی اپنی اور ذاتی ہوتی ہے، اگرچہ وہ خلاقِ فطرت ہی کی بخشی ہُوئی ہے۔ اسی طرح رسول کی حیثیت بھی مستقل بالذات ہوتی ہے، اور وہ اپنی ذاتی استعداد اور قوت و صلاحیت کو بروئے کار لاکر عالمِ انسانی کے مفاد اور اُس کے سُدھار کے لئے مختلف طریقے اختیار کرتا اور آزماتا ہے، جو بالآخر "سُنّت" کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

۴۔ جس طرح سورج اپنی ضیاء اور تابش میں بھڑکدار ہے، اسی طرح آفتابِ رسالت بھی اپنی قوت اور ضیاء باریوں میں نہایت درجہ روشن اور ضوفشاں ہے۔

۵۔ ہماری مادّی کائنات جس طرح آفتاب اور اُس کے مظاہر کی رہینِ منت ہے، اسی طرح ہماری پُوری رُوحانی زندگی بھی نیّرِ رسالت کی محتاج اور ضرورت مند ہے۔

۶۔ آفتاب جس طرح اپنی تپش و سوزش کے ذریعہ کرۂ ارض پر پھیلی ہُوئی گندگیوں کو دُور کرتا ہے، جراثیم کو ہلاک کرتا ہے اور مختلف بیماریوں کا استیصال کر دیتا ہے، اسی طرح شمسِ رسالت بھی اپنی تابناک نورانی شعاعوں سے روح کی گندگیوں اور اُس کی آلائشوں کو دُور کرتا ہے۔ اخلاقِ کریمانہ کو جِلا بخشتا ہے، صالح قوتوں کو

اُبھارتا اور گیسوئے انسانیت سنوارتا ہے۔

۷۔ آفتاب جس طرح اپنی روشنی اور توانائیوں کے خزانے بالکل مفت لٹاتا ہے، اسی طرح آفتابِ رسالت بھی بالکل مفت ضیا باریاں کرتا ہے۔ اور اپنی کارکردگیوں پر کوئی اُجرت یا معاوضہ طلب نہیں کرتا، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ : کہہ دو کہ میں اس (دعوت وہدایت) پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ یہ تو سارے جہاں کے لئے ایک درس ہے (انعام: ۹۰)

۸۔ سورج کے بغیر ہنگامہ ہائے حیات کا کارواں رواں دواں رہنا ممکن ہی نہیں۔ سورج ہی کی بدولت تمام انسانی وحیوانی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ جیسا کہ تفصیل گزر چکی، اُسی کی بدولت وہ پانی میسر آتا ہے، جو نہ صرف ہماری پیاس بُجھاتا ہے، بلکہ عالمِ حیوانی کے لئے غذا بھی فراہم کرتا ہے۔ پانی ہی کی بدولت پیڑ پودے نشوونما پاتے ہیں اور غلّہ اور اناج پیدا ہوتا ہے۔ گویا کہ سورج کے بغیر بھوک سے بلک بلک کر اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرنا پڑتا۔ اسی طرح انبیائے کرام کی مقدس اور روشن سیرتوں کے بغیر نہ تو دنیا سے اخلاقی بُرائیاں دُور ہوسکتی ہیں، اور نہ سماجی پیچیدگیاں رفع ہوسکتی ہیں۔ نہ تہذیبی وتمدنی جھگڑے فسادات مٹ سکتے ہیں، نہ قومی اور بین الاقوامی مشکلات اور پیچیدہ مسائل کا حل نکل سکتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آفتابِ رسالت کے بغیر پورا عالمِ انسانی ایک تپتی ہوئی بھٹی اور گرم تنور بن جائے گا، جس میں سارے انسان جُھلس جُھلس کر ختم ہوجائیں گے۔ جیسا کہ موجودہ معاشرہ کی بے راہ رویوں اور اخلاقی اقدار کی پامالی کے باعث زندگی دوبھر ہوگئی ہے، اور تہذیب وتمدن ہی خطرے میں پڑ گئے ہیں۔ اگر اخلاق وکردار کے کچھ نمونے کہیں باقی رہ گئے ہیں، تو وہ محض انہی پاک سیرتوں کے اثرات وباقیات کی بدولت۔ اور اگر اُمید کی کوئی کرن نظر آرہی ہے، تو اسی اخلاق وکردار کے احیاء ہی میں، جس کو موجودہ "ڈاروینیت" نے بہت بڑی حد تک زائل کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دو "روشن چراغوں" میں سے کسی ایک کا فقدان بھی زندگی کو مشکل ہی نہیں بلکہ جہنم زار بنا دیتا ہے۔ لہٰذا انسانیت کا تقاضہ ہے کہ رب العالمین کی نعمتوں اور اس کی نوازشوں کا شکر کے

طور پر اپنے آپ کو خداوندِ کریم کے سپرد کردے اور اس کی عائد کردہ شرعی واخلاقی پابندیوں کو تسلیم کرلے۔ اس میں نہ صرف عالمِ انسانی کی فلاح وکامرانی ہے بلکہ اس سے فطرت وشریعت کا نغمہ وساز بھی متحد ومشترک ہوجائے گا۔ لہٰذا انسانیت کا تقاضہ ہے کہ جس شفیق ومہربان ہستی نے انسان کی تمام بنیادی ضروریات کا اس قدر اہتمام فرمایا اور اتنی فراخدلی سے کام لیا ہو، اُس کی عائد کردہ شرعی واخلاقی پابندیوں کو تسلیم کرلیا جائے اور اپنے آپ کو اس عظیم ولاثانی ہستی کے سپرد کر دیا جائے۔

رسالت ایک مستقل سرچشمہ

آفتاب جس طرح روشنی اور حرارت کا ایک مستقل منبع ہے۔ اگرچہ وہ خدائی حکم وارادہ ہی کا تابع کیوں نہ ہو۔ اسی طرح رسول بھی ہدایت ورہنمائی کا ایک مستقل سرچشمہ اور مستقل بالذات شخصیت کا حامل ہوتا ہے، یعنی اُس کی حیثیت بھی شارع اور واضعِ قوانین کی ہوتی ہے، اگرچہ وہ "ارادۂ الٰہی" ہی کے تابع ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیثوں کے ذریعہ بعض ایسے احکام بھی دئے گئے ہیں جو قرآن مجید پر تو اضافہ ہیں، مگر وہ کسی بھی طرح خلافِ قرآن نہیں قرار دئے جاسکتے۔ کیونکہ اضافہ اور اختلاف دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى : وہ اپنی خواہشِ نفسانی سے باتیں نہیں بناتا۔ وہ تو محض وحی ہے، جو اُس پر بھیجی جاتی ہے۔ (نجم: ۳-۴)

چند مزید حقائق

مذکورۂ بالا حقائق کے علاوہ چند مزید اسرار ومعارف بھی ہیں، جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "سراج منیر" سے تشبیہہ دینے میں ملحوظ رکھے گئے ہیں:

۱۔ پیمبرِ آخر الزماں ایک مکمل دین وشریعت کے حامل ہیں، یعنی دینِ الٰہی کے وہ امور اور وہ پہلو جن کو سابقہ انبیائے کرام بعض وجوہات کی بنا پر اُجاگر نہ کرسکے تھے، ان تمام اسرار کو کھول کر بیان

---

[1] بمصداق آیۂ کریمہ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ : (اے محمدؐ!) ہم نے یہ کتاب تمہارے پاس حقانیت کے ساتھ بھیجی ہے، تاکہ اللہ کی فہمائش کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے رہو۔ (نساء: ۱۰۵)

کرنا اور انسانی زندگی کے ایک ایک پہلو کو روشنی میں لے آنا بھی رسالتِ محمدیؐ کا ایک تابناک پہلو ہے۔

۲۔ کتاب (قرآنِ مجید) کے غموض اور اُس کی پیچیدگیوں کی نقاب کشائی۔ چنانچہ قرآنِ حکیم کا کوئی بھی مضمون تورات و انجیل (موجودہ بائبل) کے مضامین کی طرح مبہم، پیچیدہ اور ناقابلِ فہم نہیں ہے۔ بلکہ اُس کی شرح اور تفسیر یا تو خود قرآن ہی کے دیگر مقامات سے ہوجاتی ہے یا سُنّتِ رسولؐ سے ہوتی ہے۔ یا پھر کائنات کے اسرار و معارف اور اُس کے رازہائے سربستہ کی نقاب کشائی سے۔

۳۔ سب سے بڑی حقیقت یہ کہ جس طرح آفتاب غروب ہوجانے کے بعد بھی اپنی روشنی چاند کے ذریعہ منعکس کرکے کائناتِ ارضی کو منوّر کرتا ہے، اسی طرح رسول بھی اپنے صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ان کے اخلاف کے ذریعے کائناتِ روحانی کو منوّر اور گرمائے رکھتا اور اپنی سُنّت کے ذریعے اخلاق و کردار کے گُل و گُلزار پیدا کرتا ہے۔

روشنی کا منارہ

آج اخلاقی حیثیت سے دنیا ایک بُحرانی دَور سے گُزر رہی ہے۔ عقلا اور دانشور حیران ہیں کہ موجودہ بگڑی ہوئی انسانیت کا علاج کیا جائے تو آخر کیسے اور کیونکر؟ تو یہ بات خوب سمجھ لینی چاہئے کہ موجودہ بے مہار اور زوال پذیر معاشرہ کا علاج اگر ہوسکتا ہے تو صرف سُنّتِ نبوی اور اُس کے قائم کردہ اعلیٰ اخلاقی اُصولوں ہی کی بدولت۔ موجودہ گھٹا ٹوپ تاریکیاں اگر چھٹ سکتی ہیں تو محض سیرتِ نبوی کی تجلّیوں ہی سے۔ آج کی دُکھی اور مایوس انسانیت کو روشنی کی کوئی کرن نظر آتی ہے تو صرف آفتابِ نبوّت ہی میں۔ صحیح علاج کے بغیر موجودہ بیماریاں دُور نہیں ہوسکتیں اور سویرا کبھی نہیں ہوسکتا۔

مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ پیروانِ رسول سب سے پہلے "اُسوۂ حسنہ" پر صحیح معنی میں عامل بن جائیں۔ صرف ہر سال میلاد کے چند جلسے منعقد کردینے اور پنڈالوں کو برقی قمقموں سے آراستہ کردینے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے سب سے پہلے اپنے دلوں کو دھونا اور باطنی قمقموں کو روشن کرنا ضروری ہے۔ تبدیلی اندر سے آنی چاہئے۔ محض بیرونی لیپا پوتی سے کچھ نہیں حاصل ہوسکتا۔ شاعرِ اسلام نے خوب فرمایا ؎

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی — کُھلتے ہیں غلاموں پر اَسرارِ شہنشاہی
عطّار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو — کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحرگاہی

اشتراکیت

ایک قرآنی تمثیل کے رُوپ میں

کمیونزم کی حقیقت و ماہیت، اُس کے اصل خدوخال اور اُس کے بھیانک و مکروہ چہرے کی ایک تصویر چند قرآنی انکشافات کی روشنی میں

اشتراکیت
ایک قرآنی تمثیل کے رُوپ میں

کتابِ الٰہی کی تازگی

قرآنِ مجید ایک ایسی عجیب و غریب اور حیرت انگیز کتاب ہے جس میں قیامت تک پیش آنے والے تمام حالات و واقعات کا نقشہ بڑے اہتمام کے ساتھ کھینچا گیا ہے۔ ہر قسم کے نظریات و تحریکات کی مثالیں بیان کی گئی ہیں اور ان پر بڑے بلیغ اور معنی خیز انداز میں تبصرے کئے گئے ہیں، تاکہ ہر دور میں حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز ہو سکے، جو قرآن کا سب سے بڑا وصف ہے۔ جیساکہ ارشادِ باری ہے :

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا :

بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان (حق و باطل میں تمیز کرنے والی کتاب) اُتار دی تاکہ وہ سارے جہان کو متنبہ کر سکے۔ (فرقان : ۱)

قرآنِ حکیم قیامت تک تمام زمانوں کے لئے کتابِ ہدایت ہے۔ اس لحاظ سے قرآنِ حکیم کے آئینہ میں ہر دور والوں کو اپنی ہی تصویر نظر آتی رہے گی :

لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ : ہم نے تمہارے پاس یقیناً ایک ایسی کتاب بھیج دی ہے جس میں تمہارا تذکرہ موجود ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے ؟ (انبیاء : ۱۰)

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ : اور ہم نے نوعِ انسانی کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان کر دی ہے تاکہ وہ متنبہ

ہوسکے۔ (زمر: ۲۷)

یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کی حکیمانہ آیات میں غور و فکر کرنے کی بارہا تاکید کی گئی ہے۔ بلکہ ایک موقع پر تو تدبر نہ کرنے والوں کو ڈانٹا بھی گیا ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا: کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟ (محمد: ۲۴)

ہر دور کے لئے رہنما کتاب

چنانچہ گہرے تفکر و تدبر کے باعث اسرار و معارف کے بند دروازے کھل جاتے ہیں اور غور و فکر کرنے والوں کا دامن اس بحرِ حکمت کے موتیوں اور جواہر ریزوں سے بھر جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج خود مسلمانوں کی اکثریت اس عظیم اور لاثانی کتاب کو محض چند خشک قسم کے احکام کا مجموعہ یا کوئی داستانِ پارینہ تصور کر کے نظر انداز کئے ہوئے ہے۔ یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ قرآنِ کریم نے یہودیوں کو کسی دور میں کتابِ الٰہی (تورات) کے پسِ پشت ڈال دینے کا جو طعنہ دیا تھا:

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا: جو لوگ تورات کے حامل تو ہوئے مگر اُس کے (مطالب) کے متحمل نہ ہوسکے، اُن کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جس کی پشت پر (بہت سی) کتابیں لاد دی گئی ہوں۔ (جمعہ: ۵)

وہ آج خود حاملینِ قرآن پر صادق آرہا ہے اور وہ یوسفِ بے کارواں بنے ہوئے ہیں۔ اگر کتاب اللہ میں عبرت و بصیرت کی نگاہ سے غور و فکر کیا جائے تو اس میں نوعِ انسانی کے موجودہ تمام "امراض" اور ہر قسم کی ذہنی و دماغی "بیماریوں" کا کافی و شافی علاج مل جاتا ہے۔ اور عالمِ انسانی کی رہبری بڑے کامیاب انداز میں ہو جاتی ہے۔

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ: (یہ قرآن) نوعِ انسانی کے لئے ہدایت نامہ ہے۔ اور (اس میں) رہنمائی اور حق و باطل میں فرق و امتیاز کے دلائل موجود ہیں۔ (بقرہ: ۱۸۵)

ربانی انکشاف

قرآنِ عظیم میں بیسویں صدی کے افکار و نظریات کی تصویر کشی بھی بڑے نرالے اور عجیب و غریب انداز میں موجود ہے، جو اُس کے کتابِ الٰہی ہونے کی قطعی اور فیصلہ کن دلیل ہے۔ چنانچہ آج کی صحبت میں میں اشتراکیت (کمیونزم) پر کلامِ الٰہی میں جو انکشاف اور تبصرہ موجود ہے، اُس کی مختصر سی تشریح کروں گا۔ چنانچہ اللہ نے روزِ ازل ہی میں جس وقت شیطان کو اُس کی نافرمانی کی بنا پر مردود قرار دیا تھا تو اُسی وقت یہ ازلی فیصلہ بھی سنا دیا تھا۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا: اور (اللہ نے شیطان سے کہا کہ) تو نوعِ انسانی میں سے جس پر تیرا بس چلے اُس کو اپنی صدا (دعوت اور پروپگنڈے کے زور) سے بے گھر کردے (یعنی اُس کی جائیداد چھین لے) اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا۔ (اپنی بات منوانے کے لئے جنگ و جدل سے بھی کام لے) اور اُن کے مال و اولاد میں تو بھی شریک ہو جا۔ (مال و دولت میں مساوات کا نعرہ بلند کر کے) اور ان سے (خوب لمبے چوڑے) وعدے کر۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطان کے وعدے جھوٹی اُمید دلانے (سبز باغ دکھانے) کے سوا کچھ بھی نہیں۔ (بنی اسرائیل: ۶۴)

ایک شیطانی تحریک

اشتراکیت یا کمیونزم پر کم سے کم الفاظ میں اتنا جامع اور بہترین تبصرہ ممکن نہیں ہے۔ ان مختصر الفاظ میں اعجازی طور پر کمیونزم کے اہم ترین اور بنیادی اسرار و نکات کی راز جوئی پوری مہارتِ فن کے ساتھ کی گئی ہے اور اشتراکیت کی اصل حقیقت کو بالکل عریاں اور بے نقاب کر دیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلی اور بنیادی حقیقت یہ ہے کہ روزِ ازل میں کئے گئے اس خدائی فیصلے اور عظیم الشان ربانی پیش گوئی پر کارل مارکس، لینن، مارشل اسٹالن، ماؤزے تنگ اور دیگر کمیونزم کے بانیوں اور رہنماؤں نے خود اپنے عمل کے ذریعہ مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ چونکہ آیتِ بالا میں خطاب براہِ راست شیطان سے ہے، اس لئے "اشارۃ النص" کی رُو سے لازمی طور پر اس تحریک کے رہنما شیطان یا اُس کے

ایجنٹ قرار پاتے ہیں۔ گویا کہ قرآنِ حکیم کی نظر میں اشتراکیت (کمیونزم) ایک شیطانی تحریک ہے۔ اور اس تحریک کے داعی اور رہنما شیطانی منصوبے کی تکمیل میں لگے ہُوئے ہیں۔

آیتِ بالا میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان کا ایک ایک لفظ اپنی جگہ پر صداقت سے بھرپور ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عظیم آیت گویا آج ہی اور ابھی ابھی نازل ہُوئی ہے۔ اب اس سلسلے کے چند حقائق ملاحظہ ہوں:

اشتراکیت کیا ہے؟

۱۔ جائیداد سے بے دخلی

"اور تُو نوعِ انسانی میں سے جس پر تیرا بس چلے اس کو اپنی دعوت کے زور سے بے گھر کر دے۔"

(وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ[1]) اس فقرہ کا مصداق حسبِ ذیل دو باتیں قرار دی جا سکتی ہیں۔ ایک تو اپنی دعوت یا پروپگنڈے کے زور سے لوگوں کو متاثر کرنا۔ یعنی نادار طبقہ کو ترغیب و تحریص دلا کر انہیں "سُرخ انقلاب" کے نام پر برانگیختہ کرنا۔ دوسرے یہ کہ نچلے اور پسماندہ طبقے کے ذریعہ شورش برپا کر کے لوگوں کو ان کے مال اور جائیداد سے زبردستی بے دخل کر دینا یا لوگوں کی املاک کو قومی یا سرکاری ملکیت STATE PROPERTY قرار دے کر زبردستی ان پر قابض ہو جانا۔ "استفزاز" (قدم اکھاڑنا یا بے گھر کر دینے) کے مفہوم میں مال اور جائیداد سے بے دخلی کی یہ ساری شکلیں آسکتی ہیں۔

غرض یہ اشتراکیت کا بنیادی مقصد اور اس کا طریقۂ کار ہے۔ اور یہ دو چیزیں کیمونزم کے زبردست ہتھیار ہیں جن کے بل بوتے پر وہ پُوری دنیا کو مُسخّر اور زیرِ اقتدار کر لینا چاہتے ہیں۔ روس، چین

---

[1] یہاں پر "اِسْتَفْزَازٌ" اور "صَوْتٌ" کے الفاظ بڑے اہم ہیں۔ پہلے لفظ کے معنی ہیں: گھبرا لینا، ڈرانا، کسی کو ہلکا اور حقیر سمجھنا، قدم اکھاڑنا، اور گھر سے باہر نکال دینا، وغیرہ (لغات القرآن)۔ اور "صَوت" آواز کو کہتے ہیں۔ جس کا مصداق مفسرین نے گانے بجانے کو بھی قرار دیا ہے اور ہر قسم کی معصیت انگیز دعوت یا پروپگنڈے کو بھی (صوت، دعاؤہ الی معصیة الله۔ قیل أراد بصوتك الغناء واللهو واللعب۔ (تفسیر کبیر جزء ۲۰ ص۴)۔ بصوتك بدعائك بالغنا والمزامير وكل داع الى المعصية (تفسیر جلالین)

اور دیگر اشتراکی ملکوں میں "سُرخ انقلاب" اسی طریقہ سے برپا ہُوا ہے۔ اور آج جنوبی و مغربی ایشیا، یورپ اور افریقہ کے اکثر ملکوں میں بھی اسی طریقے سے انقلاب لانے کی تیاریاں اور منظم سازشیں کی جا رہی ہیں۔

مذکورہ بالا فقرہ کے مطابق یہ حقیقت ہے کہ جب تک ان کا بس نہیں چلتا یعنی جب تک کوئی نیا ملک ان کے زیرِ اثر نہیں آجاتا وہ اپنے خوشنما قسم کے نظریات کا پرچار اور پروپگنڈا کرتے رہتے ہیں اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنے مقصد کے حصول میں کوشاں رہتے ہیں۔ جب ان کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے اور کوئی ملک اُن کے زیرِ نگیں آجاتا ہے تو پھر تمام شخصی و انفرادی املاک PERSONAL PROPERTY پر سرکار کے نام سے قبضہ کر لیا جاتا ہے یا سوشلزم کی فسوں کاری کے ذریعہ "کاہلوں اور کام چوروں" کو بھی املاک و جائیداد میں برابر کا حقدار و حصہ دار قرار دے دیا جاتا ہے۔ اسی کو قــرآن "بے گھر کرنا" کہتا ہے۔

کیمونزم اور سوشلزم میں فرق صرف یہی ہے کہ پہلا بڑا بھائی ہے اور دوسرا چھوٹا بھائی۔ اوّل کی نظر میں کوئی شخص اپنی ذاتی ملکیت رکھنے کا مجاز نہیں رہتا۔ ("کیمون" کے معنی "اجتماعی فارم" کے ہیں، جس سے لفظ کیمونزم بنا ہے)۔ اور ثانی اس بات کا قائل ہے ہر شخص اپنی زائد ملکیت دوسروں کے حوالے کر دے۔ سوشلزم کیمونزم کی طرف پہلا قدم اور اوّلین منزل ہے۔

۲۔ جبر و استبداد

"اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا۔" (وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ)

اس کا صاف مطلب ہے جنگ و جدل کا بازار گرم کرنا۔ "اَجْلِبْ" کا لفظ "اِجْلَابٌ" (بابِ افعال) سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں اکھٹا کرنا، شور مچانا اور کھینچ لانا۔ (لغات القرآن)

اس فقرہ کی بہترین تفسیر کوریا، ویٹ نام اور انڈونیشیا وغیرہ پر بالواسطہ طور پر اور ہندوستان پر براہِ راست چین کی یورش، نیز رومانیہ، ہنگری اور چیکوسلواکیہ وغیرہ پر روس کی یلغار ہے۔ اس تحریک کے قائدین کی للچائی ہُوئی نظریں پورے ایشیا، افریقہ اور یورپ پر لگی ہُوئی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک، بلادِ عربیہ پر۔ جس کے محلِ وقوع اور جغرافیائی حیثیت کی انتہائی اہمیت ہے۔

آج کچھ عرب رہنما بھی ان کے دامِ تزویر اور طاغوتی فریب میں آکر اشتراکیت کا نعرہ بلند کر رہے ہیں۔ انڈونیشیا اور ملیشیا وغیرہ میں اگرچہ یہ تحریک عارضی طور پر پسپا اور اُس کے پُرکشش ہتھیار ناکام ہو چکے ہیں مگر اندرونی سازشیں اور ریشہ دوانیاں برابر جاری ہیں۔ وقفہ وقفہ سے شورشیں برپا ہوتی رہتی ہیں۔ اور آج پاکستان (اور افغانستان) بھی سُرخ انقلاب کی زد میں آچکا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ آج زیادہ تر مسلم ممالک ہی کمیونزم کی حرص و آز کا شکار بنے ہُوئے یا اُس کی لسٹ پر چڑھے ہُوئے دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ جغرافیائی نقطۂ نظر سے یہ ممالک دنیا کے اہم ترین خطوں کے مالک ہیں، جن پر قبضے کے بعد عالمی سیاست کی بساط اُلٹی جا سکتی ہے۔ اور مخالفوں کو ڈپلومیسی کے ہر میدان میں شکست دی جا سکتی ہے۔

کمیونزم کا خمیر زبردستی، جبر و استبداد، شورش، توڑ پھوڑ اور مار دھاڑ کے عناصر سے مرکب ہے۔ اور کمیونسٹ تحمل، سنجیدگی اور بُردباری کے ساتھ کام کرنا اور صبر و سکون کے ساتھ اپنے نظریات کا پرچار کرنا جانتے ہی نہیں۔ ایمانداری اور اخلاقی قیود و ضوابط وغیرہ ان کے نزدیک دقیانوسیت کی نشانی ہیں اور مقصد برآری کے لئے ہر قسم کے ہتھکنڈے جائز اور روا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر وقت اپنی آستین چڑھائے رہتے ہیں۔ اور جب بھی کوئی موقع ملے جبر و تشدد پر اُتر آتے ہیں۔ جیسا کہ انڈونیشیا کی مُسلّح اور خونیں بغاوت شاہد ہے۔ جس میں تقریباً پانچ لاکھ افراد تہِ تیغ ہُوئے۔ پچھلے برسوں ہندستان پر چینی جارحیت بھی اس سلسلے میں ایک ثبوت ہے۔ اور آج ہندستان کے مختلف علاقوں میں عموماً اور بنگال میں خصوصاً "نکسلیوں" نے اشتراکیت کے نام پر جو اُودھم، دھما چوکڑی اور طوفانِ بدتمیزی مچا رکھا ہے وہ کسی تبصرہ کا محتاج نہیں ہے۔ خود رُوس اور چین میں سُرخ انقلاب لاکھوں افراد کی لاشوں پر سے گزر کر آیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "سُرخوں" نے زمین والوں کی زندگی اجیرن کر دی اور دھرتی کا امن و امان اور چین و سکون غارت کر دیا ہے ——— ان تمام حقائق کی روشنی میں یہ ربّانی فقرہ ایک عظیم صداقت کی حیثیت رکھتا ہے۔

۳۔ خوشنما نعرہ

"اور تُو ان کے مال و اولاد میں شریک ہو جا" (وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ) یہ کمیونزم کا بنیادی نعرہ ہے۔ یعنی گھر بار اور مال و دولت وغیرہ میں تمام لوگوں کے اشتراک یا برابر حصہ داری

کا دعویٰ۔ اس فقرے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: (۱) کمیونسٹ رہنماؤں کا عوامی ملکیت میں بلا استحقاق شرکت۔ یعنی محنت کریں عوام اور اُن کے ثمرات میں شرکت کریں اُن کے رہنما، بالکل کام چوروں کی طرح۔ (۲) محنت کریں چند لوگ اور نتائج میں شرکت کریں تمام لوگ۔ بہرحال اسی پُرکشش نعرہ کے بل بوتے پر کمیونسٹ ابتداءً بے روزگار اور کم حیثیت والوں کو اُکساتے اور اُبھارتے ہیں اور انہیں بے وقوف بنا کر اپنا آلۂ کار بنا لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طمع و لالچ کے بغیر عوام کمیونسٹوں کا ساتھ دینے پر تیار نہیں ہو سکتے۔ جب عوام ہی تیار نہ ہوں گے تو پھر "سُرخ انقلاب" کیسے برپا ہوگا؟ لہٰذا عوام کو بہکانے اور برانگیختہ کرنے کے لئے زمین، مکان اور روٹی وغیرہ میں برابر برابر حصہ داری کا لالچ ایک بہت بڑا حربہ اور سیاسی چال ہے جس کے بغیر اپنے مقصد کی تکمیل ممکن نہیں۔

۴۔ فسُوں کاری

"اور تُو ان سے خوب وعدے کر" (وَعِدْهُمْ) واقعہ یہ ہے کہ کمیونسٹ اپنی مقصد براری یعنی حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے پسماندہ طبقے سے خوب لمبے چوڑے وعدے کرتے ہیں یعنی فقرہ ۳ کے مُطابق وہی مال و متاع میں "اشتراکیت" خوش معاشی، آسودگی، عیش و عشرت کے وعدے اور قسم ہا قسم کی اُمیدوں کا انبار لگانا۔ چونکہ یہ ایک انتہائی پُرکشش اور مقناطیسی نعرہ ہے، جو نچلے طبقے کے لئے جنّت کے وعدے سے کسی بھی طرح کم نہیں ہے۔ اس لئے وہ فوراً ان کے جھنڈے تلے جمع ہو جاتے ہیں۔ پسماندہ طبقہ ہی وہ واحد طبقہ ہے، جس پر اشتراکیت کی یہ فسُوں کاری چل سکتی ہے یا وہ بہت جلد ان کے بہکاوے میں آ سکتا ہے۔ لہٰذا اُن کی اُمیدوں کا مرکز اور اُن کی جد و جہد کا ملجا و ماویٰ ہمیشہ مزدور اور بے روزگار طبقہ ہوتا ہے۔ دُنیا میں جہاں جہاں بھی سُرخ انقلاب برپا ہُوا ہے، وہ اسی طبقہ کے ذریعہ برپا ہُوا ہے۔

۵۔ سرابِ حقیقت

"مگر حقیقت یہ ہے کہ شیطان کے وعدے جُھوٹی اُمید دلانے کے سوا کچھ بھی نہیں" (وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا) اس ربانی فقرہ کی صداقت آج ایک تاریخی حقیقت بن چکی ہے۔ چنانچہ خود کمیونزم کے گڑھ (روس) میں آج کمیونزم بُری طرح ناکام ہو چکا ہے۔ اس تحریک کے موجودہ رہنما اب اصل

"انسانی فطرت" کی طرف آہستہ آہستہ لوٹ رہے ہیں۔ کیونکہ کیمونزم ایک بالکل مصنوعی اور غیر فطری نظام ہے، جو جبر و تشدد کے بغیر ایک دن کے لئے بھی نہیں چل سکتا۔ اور "کوڑے" کو حرکت میں لائے یا سروں پر ننگی تلوار تانے بغیر لوگ بہ رضا و رغبت اجتماعی فارموں (کیمونوں) میں کام کرنے کے لئے کبھی آمادہ نہیں ہو سکتے۔ اور دوسری حیثیت سے بھی کیمونزم کے نفاذ کے بعد "پیداوار" PRODUCTION میں بے انتہا کمی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کوئی بھی شخص اپنی ذاتی ملکیت کے تصور کے بغیر محض سرکاری خزانوں کو بھرنے کے لئے پوری رغبت اور دلجمعی کے ساتھ کام کبھی نہیں کر سکتا۔ یہ انسانی فطرت کا خاصہ اور اٹل صداقت ہے۔ لہٰذا یہ غیر فطری جنگ کوئی کب تک لڑ سکتا تھا؟ یہی وجہ ہے کہ روسی کامریڈوں نے اب ہتھیار ڈال کر مختلف قسم کی "اصلاحات" شروع کر دی ہیں اور قوانین بھی کافی حد تک نرم کر دیئے ہیں۔ آخر کار روس میں ذاتی ملکیت کا حق ایک محدود پیمانے پر تسلیم کر لیا گیا ہے، جس کے باعث نتائج میں حیرت انگیز تبدیلی آ چکی ہے۔ یعنی شخصی اداروں میں سرکاری اداروں کے مقابلہ میں "پیداوار" خوب زوروں پر ہے۔ روسی اصلاحات نے چینی کامریڈوں کو ناراض کر دیا ہے اور وہ علانیہ الزام لگاتے ہیں کہ روسیوں نے مارکسزم میں تحریف کر کے اس کے چہرے کو مسخ کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اشتراکی ممالک دو متحارب کیمپوں میں بٹ گئے ہیں اور اشتراکیت میں جگہ جگہ رخنے پڑ چکے ہیں۔

اشتراکی ملکوں سے ادیبوں، فنکاروں اور دانشوروں کا بھاگنا اور غیر اشتراکی ملکوں میں پناہ لینا بھی اسی حقیقت کا غماز ہے کہ وہاں کے عوام نہ تو کیمونزم سے مطمئن ہیں اور نہ ان کو وعدے کے مطابق وہاں پر کسی قسم کی آزادی یا خوش معاشیاں حاصل ہیں۔ چین کی حالیہ خانہ جنگی بھی اسی حقیقت کا مظہر تھی۔ کیونکہ اب ہر جگہ یہ احساس عام ہوتا جا رہا ہے کہ کیمونزم کے رہنماؤں نے پبلک سے جو وعدے کئے تھے وہ محض ایک سبز باغ تھا۔ جس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں ہے۔

غور فرمائیے کہ یہ تمام نکات کتنے مربوط و منظم اور حکیمانہ انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ گویا کہ عصر حاضر کے حالات و واقعات کا ایک مختصر سا مگر بڑا جامع خاکہ و نقشہ کھینچ کر رکھ دیا گیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: "قرآن میں تم سے پہلے کے واقعات بھی ہیں اور تمہارے بعد والوں کی خبریں بھی۔ وہ تمہارے تمام معاملات میں

قاضی و جج ہے۔ وہ ایک فیصلہ کن کلام ہے۔ کوئی ہنسی مذاق نہیں!" (ترمذی)

۳- اشتراکیت، سرمایہ داری اور اسلام

اشتراکیت اور سرمایہ داری

واقعہ یہ ہے کہ کیمونزم سرمایہ داری CAPITALISM سے بھی زیادہ خطرناک اور بدترین چیز ہے۔ اس لئے کہ ملوکیت اور سرمایہ داری میں کم از کم عوام کو اپنے ذاتی مال اور ذاتی جائیداد رکھنے، نیز آزادیٔ رائے اور آزادیٔ تقریر کا حق تو باقی رہتا ہے۔ مگر کیمونزم میں سوائے دو وقت کی روٹی کے کسی بھی چیز پر اپنا حق باقی نہیں رہتا۔ حتیٰ کہ اپنی اولاد تک کو حکومت کے حوالے کر دینا پڑتا ہے۔ بیوی پر بھی کسی قسم کی بالادستی قائم نہیں رہتی۔ دونوں کی راہیں جدا جدا رہتی ہیں۔ شوہر کسی فارم میں ہے تو بیوی کسی دوسرے فارم میں اور بچے حکومت کی تحویل اور سرکاری اداروں میں، جہاں پر اُن کو اشتراکی نظریات اور اُس کے فلسفے کی تعلیم اور تخریب کاری کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ اس طرح شروع ہی سے اُن کی تربیت اشتراکی خطوط پر کی جاتی ہے۔ گویا کہ اشتراکیت نومولود بچوں کی گھٹی میں ڈال دی جاتی ہے۔ چین میں اسی قسم کا نظام رائج ہے۔ ہر چینی مرد اور عورت کو دن رات اجتماعی فارموں (کیمونوں) میں گدھوں اور خچروں کی طرح کام کرنا اور اپنے "آقاؤں" (کامریڈوں) کے حکم کے منتظر رہنا پڑتا ہے۔ تب کہیں انہیں دو وقت کی روٹی ملتی ہے۔ چینی مزدور دن بھر کھیتوں اور کارخانوں میں رہتا ہے اور راتوں کو بارکوں یا اجتماعی "مواشی خانوں" میں۔ حقیقت یہ ہے کہ چینیوں کی اکثریت آج جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ کہتے ہیں کہ بلی جب اپنے آپ کو مجبور پاتی ہے تو کتے پر بھی جھپٹ پڑتی ہے۔ چنانچہ چینی عوام نے بھی مسلسل ظلم و ستم اور جبر و استبداد سے تنگ آ کر ابھی حال ہی میں بغاوت کر دی تھی جس کو فرو کرنے کے لئے خون کی ندیاں بہا دی گئیں۔

اشتراکیت اور سرمایہ داری میں اس حیثیت سے کوئی فرق نہیں ہے کہ تمام ذرائع معاش کی باگ ڈور چند گنے چنے افراد کے ہاتھوں میں آ جاتی ہے، جس کے نتیجے میں بالادست طبقہ اپنی من مانی کرتا اور خوب گلچھرے اڑاتا ہے۔ انہی مخصوص افراد کو اشتراکی حلقوں میں "کامریڈ" COMRADE کہا جاتا ہے تو غیر اشتراکی

حلقوں میں ان کا نام "سرمایہ دار" یا راجہ اور بادشاہ وغیرہ قرار پایا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی صورت میں ان مٹھی بھر افراد کی سرمایہ داری پوشیدہ رہ جاتی ہے۔ مگر دوسری صورت میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی کامریڈ یا "ماڈرن راجہ" اپنی ذات پر لاکھوں روپے خرچ کر دے تب بھی وہ صرف کامریڈ اور غریبوں کا مونس اور ہمدرد و غمخوار ہی رہتا ہے۔ اور اس کی اشتراکیت پر بھی کوئی حرف نہیں آتا۔ مثال کے طور پر ایک چینی صدر یا وزیر اعظم کو جو سہولتیں، آسائشیں اور خوش معاشیاں حاصل ہیں وہ کسی فارم میں کام کرنے والے مزدور کو ہرگز حاصل نہیں ہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک مزدور کے رہن سہن اور ایک فنکار یا ڈاکٹر یا انجینیر یا سائنس داں وغیرہ کے رہن سہن میں بھی کھلا ہوا فرق ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے کامل مساوات اور برابری کا دعویٰ کہاں باقی رہا؟ حقیقت یہ ہے کہ معاشی نقطۂ نظر سے ادنیٰ و اعلیٰ کا فرق مٹا دینا ناممکن اور محال بلکہ فطرت کے خلاف ایک جنگ ہے، جو کبھی جیتی نہیں جا سکتی۔ معاشی حیثیت سے طبقاتی نظام کے قیام اور افراد کی صلاحیت و کارکردگی کے مطابق فرق و امتیاز کے بغیر دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔[1]

حاصل یہ کہ اشتراکیت اور سرمایہ داری میں صرف الفاظ کا ہیر پھیر اور اصطلاحوں کا فرق ہے، ورنہ حقیقت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ اشتراکی اپنے آپ کو "پرولتاری" اور غیر اشتراکیوں کو "بورژوائی" کہتے ہیں۔ مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ یہ خود ہی نہایت بدترین قسم کے بورژوائی ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ "بالائی طبقہ" خواہ سرمایہ دار رہے یا کامریڈ بن جائے دونوں ہی صورتوں میں عوام وہی کولہو کے بیل ہی بیل رہتے ہیں۔ کمیونزم دراصل "اقتصادی سدھار" کے روپ میں ایک خطرناک تحریک اور خونی ہنگامہ آرائی ہے، جس کی اصلیت آج پوری طرح بے نقاب ہو چکی ہے۔ اور اس کا مکروہ اور بھیانک چہرہ پوری طرح عریاں ہو چکا ہے۔

یہ ہے "شیطانی وعدوں" کی ستیہ تت اور "شیطانی تحریک" کی صحیح تصویر۔ غور فرمائیے کہ صرف ایک آیتِ کریمہ میں کس قدر حقائق و معارف ودیعت کر دیے گئے ہیں! اگر اس عظیم اور ناقابلِ فراموش آیتِ پاک کی مفصل تشریح و تفسیر کی جائے تو بجا طور پر ایک ضخیم کتاب وجود میں آسکتی ہے۔

---

[1] بہر حال برہمن سماج کے طرز کا طبقاتی نظام نہیں جو نسلاً چلا کرتا ہے، بلکہ افراد کی صلاحیت و کارکردگیوں کے مطابق فطری نظام

اسلامی نظامِ زکوٰۃ

اشتراکیت ہو یا سرمایہ داری دونوں ہی عوام کے سخت دشمن ہیں۔ ایک کی دشمنی کھلی ہوئی ہے تو دوسرے کی پوشیدہ۔ مگر حقیقت کے لحاظ سے دونوں ہی ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ چنانچہ اقبالؔ جیسے نبّاض اور "ماہرِ امراض" نے اشتراکیت کی نبض و رفتار کو دیکھ کر اس کے "امراض" کی صحیح صحیح تشخیص بہت پہلے کر دی تھی ؎

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم — بے سود نہیں روس کی یہ گرمیٔ رفتار
اندیشہ ہوا شوخیٔ افکار پہ مجبور — فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بیزار
انسان کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر — کھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اسرار

اب اشتراکیت و سرمایہ داری کی اس اونچ نیچ اور افراط و تفریط کے درمیان اسلام کی قابلِ عمل، سیدھی و متوازن اور بہترین فطری تعلیم یہ ہے کہ ہر فرد اپنا ذاتی مال اور ذاتی جائیداد جتنی چاہے رکھ سکتا ہے، تاکہ کسی بھی فرد کی فطری و ذاتی صلاحیتیں زنگ آلود نہ ہونے پائیں اور اس کی امنگیں اور ولولے سرد نہ ہو جائیں۔ مگر اس پر یہ فریضہ عائد کیا گیا ہے کہ وہ علاوہ نفلی صدقات و خیرات کے سال میں ایک مرتبہ اپنے زائد اور پس انداز مال پر ڈھائی فی صد کی آسان اور قابلِ عمل شرح کے ساتھ زکوٰۃ — بحیثیت ایک دینی فرض کے — ادا کرے۔ اسلامی قانون کے تحت اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ملت کے مال دار افراد سے زکوٰۃ وصول کر کے غرباء اور ناداروں یا معاشی جد و جہد کے میدان میں پیچھے رہ جانے والوں پر صرف کرے۔ اگر اسلام کے نظامِ زکوٰۃ کے مطابق صحیح پیمانے پر کام کیا جائے تو پھر غربت و مفلسی کا خاتمہ اور ہر طرف خوش حالی کا دور دورہ ہو سکتا ہے۔ جس طرح کہ اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں دنیا خوش حالی کا ایک مثالی نظارہ کر چکی ہے۔ چنانچہ اس وقت لوگ زکوٰۃ کی رقم لے کر مستحقین کی تلاش میں نکلتے تھے مگر کوئی لینے والا نہیں ملتا تھا۔

اس طریقے کے مطابق دولت درحقیقت ایک جگہ جمع نہیں رہتی بلکہ وہ ہر سال مسلسل گردش کرتی رہتی ہے۔ جس کے باعث معاشی ناہمواریاں بہت بڑی حد تک دور ہو جاتی ہیں۔ بشرطیکہ صحیح طریقہ کے مطابق اور پورے اخلاص کے ساتھ کام کیا جائے۔

خلاصۂ بحث یہ کہ آج کی معاشی بے چینی کا علاج نہ سرمایہ داری ہے اور نہ کیمونزم۔ بلکہ اس کا حقیقی علاج اور شافی نسخہ صرف اسلام کے پاس موجود ہے، جو غریبوں کا بہترین اور سچا دوست ہے۔ اب کوئی اسلامی ملک اس اسلامی نسخہ کو آزماکر تو دیکھے کہ اس سے کتنے کامیاب نتائج برآمد ہوسکتے ہیں! افسوس تو اس بات کا ہے آج اسلام خود مسلمانوں ہی میں بیگانہ ہوگیا ہے۔ اگر آج دنیا کے کسی بھی مسلم ملک میں اسلام کا صحیح صحیح نظام رائج ہوتا تو وہ دوسرے ملکوں کے لئے بھی ایک نمونہ اور آئیڈیل بن سکتا تھا۔ اب اگر کوئی مسلم ملک اسلام کے اس فطری اور معقول نظام کو ترک کرکے اُلٹے "شیطانی تحریک" ہی کا ہمنوا اور علمبردار بن جائے بلکہ اس طاغوتی نظام کو اسلامی نظام ثابت کرنے کے درپے ہوجائے تو آپ اس کو کیا کہیں گے؟

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا ؟

بہرحال اگر کوئی عملی اعتبار سے اس حقیقت کو تسلیم کرے یا نہ کرے مگر نظریاتی اعتبار سے یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلامی تعلیمات سے بڑھ کر سادہ، محکم، متوازن اور قابلِ عمل اصول دُنیا کے سامنے کسی بھی مذہب یا کسی بھی "ازم" نے پیش نہیں کئے۔ اب دُنیا کو یقیناً ایک نہ ایک دن اسلام کے چرنوں میں جھکنا ہی پڑے گا اور اُس کے ٹھنڈے سائے اور چشمۂ شیریں کی طرف آنا ہی پڑے گا۔ جس میں پورے عالمِ انسانی کی فلاح و کامرانی اور امن و سکون کا راز مضمر ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ : وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اُسے دوسرے تمام دینوں پر غالب کردے۔ (فتح : ۲۸)

مفکرِ اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

کی چند اہم شاہکار تصنیفات

- تاریخِ دعوت و عزیمت مکمل (۵ حصے)
- مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش
- انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
- منصبِ نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین
- دریائے کابل سے دریائے یرموک تک
- تذکرہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ
- تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات
- تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب
- مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں
- نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں
- جب ایمان کی بہار آئی
- مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت
- حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب
- عصرِ حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح
- تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک
- مطالعۂ قرآن کے بنیادی اصول
- سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
- خواتین اور دین کی خدمت
- کاروانِ ایمان و عزیمت
- سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ

- نبیٔ رحمت مکمل
- حدیث کا بنیادی کردار
- معرکۂ ایمان و مادیت
- پرانے چراغ مکمل (دو حصے)
- ارکانِ اربعہ
- نقوشِ اقبال
- کاروانِ مدینہ
- قادیانیت
- تعمیرِ انسانیت
- حدیثِ پاکستان
- اصلاحیات
- صحبتے با اہلِ دل
- کاروانِ زندگی مکمل
- مذہب و تمدن
- دستورِ حیات
- حیات عبدالحئیؒ
- دو متضاد تصویریں
- تحفۂ پاکستان
- پاجا سراغِ زندگی
- عالمِ عربی کا المیہ

ناشر: فضلِ ربی ندوی — فون ۹۲۱۸۱۷ - ۹۲۰۸۹۹

مجلس نشریاتِ اسلام، ناظم آباد مینشن ۱۔ کے ۳۔ ناظم آباد، کراچی ۱۸

شاہ نور پریس SHAH NOOR 6231776